

دینی مدارس کا نصاب تعلیم

دینی مدارس میں مروج نصاب تعلیم کو درس نظامی کا نصاب کہا جاتا ہے جو ملا نظام الدین سہالوی سے منسوب ہے۔ ملا نظام الدین سہالوی التوفی (۱۱۶۱ھ) حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے معاصرین میں تھے۔ ان کا قدیمی تعلق برات (افغانستان) کے معروف بزرگ حضرت شیخ عبداللہ انصاری سے تھا۔ اس خاندان کے شیخ نظام الدین نامی بزرگ نے یوپی کے قصبہ سہالی میں کسی دور میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا اور پھر ان کے خاندان میں یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہا۔ اکبر بادشاہ نے اپنے دور میں اس خاندان کو سہالی میں معقول جاگیر دے دی تھی جس کی وجہ سے خاندانی اور تدریسی نظام کسی رکاوٹ اور دقت کے بغیر چلتا رہا حتیٰ کہ اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں سہالی کے شیخ زادوں نے کسی تنازع کی بنیاد پر اس خاندان کے بزرگ ملا قطب الدین گوشہید کر کے ان کا گھر، سامان اور کتب خانہ جلا دیا اور اس خاندان کو سہالی کا قصبہ چھوڑنا پڑا۔ سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۱۰۵ھ میں لکھنؤ میں ”فرنگی محل“ کے نام کی ایک کونھی انہیں الاٹ کی جو ان کی تدریسی اور علمی سرگرمیوں کا مرکز بن گئی اور علماء فرنگی محل کا وہ عظیم علمی خاندان پورے برصغیر میں متعارف ہوا جس میں ملا نظام الدین سہالوی، مولانا عبدالعلیم فرنگی محلی اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی جیسے اکابر و مشاہیر کے نام بھی شامل ہیں۔

اس دور میں برصغیر میں فقہ اور معقولات کی تعلیم کا دور دورہ تھا اور فرنگی محل کے علما ان دونوں علوم میں نمایاں اور امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کا اپنا ایک انداز تعلیم تھا اور تعلیمی نصاب بھی خود ان کا اپنا طے کر دیا تھا۔ یہ نصاب تعلیم دراصل اس خاندان کے مسلسل تجربات کا نچوڑ اور حاصل تھا جسے ملا نظام الدین سہالوی نے مرتب شکل میں پیش کیا اور اسی وجہ سے ان سے منسوب ہو کر ”درس نظامی“ کہلایا۔ اس نصاب میں درج ذیل گیارہ علوم و فنون میں اس دور کی بہترین کتابیں شامل کی گئیں: ۱۔ صرف ۲، نحو ۳، منطق ۴، حکمت و فلسفہ ۵، ریاضی ۶، بلاغت ۷، فقہ ۸، اصول فقہ ۹، علم کلام ۱۰، تفسیر قرآن اور ۱۱۔ حدیث۔

اس نصاب کے ساتھ اس خاندان کا طرز تدریس روایتی اور کتابی تھا جس میں کتاب کا متن، حاشیہ اور حاشیہ، حاشیہ سمجھنے اور حل کرنے کی صلاحیت بڑھانے پر زور دیا جاتا تھا اور کتاب کے نفس مضمون کی بہ نسبت اس کے دیگر متعلقات و تفصیلات کی طرف استاذ اور شاگرد کی توجہ زیادہ ہوتی تھی۔ اس طرز تدریس کی افادیت یہ تھی کہ اس سے

ذہن و فکر کو تعمق اور گہرائی حاصل ہوتی تھی اور مطالعہ و استنباط کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی اور پورے جنوبی ایشیا میں صدیوں سے چلے آنے والے ہزاروں دینی مدارس کی یک لخت بندش و خاتمہ کے بعد جب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت حاجی عابد حسین جیسے بزرگوں نے ضلع سہارنپور کے قصبہ دیوبند میں رضا کارانہ چندہ اور امداد بانہی بنی۔ ۱۸۶۵ء میں مدرسہ عربیہ کے نام سے ایک نئی درس گاہ قائم کی تو اس میں درس نظامی کے اسی نصاب کو تعلیم و تدریس کے نئے سلسلہ کی بنیاد بنایا اور یہی سلسلہ آگے چل کر پورے جنوبی ایشیا میں آزاد دینی مدارس کے ایک وسیع نظام کا نقطہ آغاز قرار پا گیا۔ مجدد دیوبند کے حضرات نے درس نظامی کے نصاب کو من و عن قبول نہیں کیا بلکہ اس میں اس وقت کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے ترمیم و اضافہ بھی کیا۔ ان حضرات کا علمی و فکری تعلق حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے تھا اور جہاد بالا کوٹ کی ناکامی کے باعث ولی المہدی خاندان کے مسند نشین حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی کی حجاز مقدس کی طرف ہجرت کے بعد اس خاندان کے علمی ورثہ اور فکری مشن کے یہی حضرات وارث تھے اس لیے انہوں نے دونوں علمی سرچشموں کے درمیان سنگم اور پل کی حیثیت اختیار کر لی اور درس نظامی کے مذکورہ نصاب کے ساتھ شاہ ولی اللہ دہلوی کے علوم و فلسفہ کا جوڑ لگا کر ایک ایسا نصاب تعلیم رائج کیا جو تھوڑے بہت روزوں میں بدل کے ساتھ جنوبی ایشیا کے اکثر دینی مدارس میں اس وقت بھی رائج ہے اور اب تک مختلف ادوار اور مختلف حلقوں کی ترمیم اور اضافہ کے باوجود درس نظامی یہی کہلاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند نے جب اس نصاب کو اپنایا تو اس وقت کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے اس میں دو بنیادی تبدیلیاں کیں۔ ایک یہ کہ درس نظامی کے پرانے نصاب میں حدیث کی صرف ایک کتاب، مشکوٰۃ شریف تھی لیکن حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تعلیمات و ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے دیوبند کے نصاب میں صحاح ستہ یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی کو بھی شامل کر لیا گیا۔ یہ اس وقت کی اہم ضرورت تھی جسے دیوبند کے اکابر نے محسوس کرتے ہوئے نصاب کے اندر سمودیا۔ اسی طرح جہاد بالا کوٹ کے بعد جب حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی ہجرت کر کے حجاز مقدس چلے گئے تو ان کی جگہ دہلی کی مسند حدیث پر حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی متمکن ہوئے جن کا رجحان حنفیت سے ریزاں اس مکتب فکر کی طرف تھا جو بعد میں اہل حدیث کے نام سے موسوم ہوا۔ ظاہر ہے کہ حدیث کی تعلیم میں ان کے ہاں انہی احادیث و روایات کی ترجیح کا پہلو غالب ہونا تھا جو ان کے رجحانات سے مطابقت رکھتا تھا اس لیے یہ تاثر عام ہونے لگا کہ حدیث نبوی اور فقہ حنفی الگ الگ بلکہ ایک دوسرے کے مقابل علوم کا نام ہے۔ اس تاثر کو دور کرنے کے لیے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے حدیث کی تعلیم و تدریس کے دوران فقہ حنفی کے مسائل و احکام کے احادیث نبویہ سے اثبات اور ان کی ترجیح کے طرز کو اپنایا جسے بعد

میں حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا ظلیل احمد سہارنپوری نے کمال تک پہنچا دیا۔

ان دو تہذیبوں میں سے ایک کا تعلق نصاب میں اضافہ سے ہے اور دوسری تبدیلی طرز تدریس سے تعلق رکھتی ہے جو ظاہر ہے اس وقت کی ضروریات اور تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے عمل میں لائی گئیں لیکن اس کے بعد نصاب اور طرز تعلیم پر جمود کی ایسی مہر ثبت کر دی گئی کہ زمانے کی ضروریات اور تقاضوں سے آنکھیں بند کر لینے کو ہی عافیت کا واحد ذریعہ سمجھ لیا گیا حتیٰ کہ بڑے بڑے اکابر چیخنے چلاتے رہ گئے مگر مدارس دینیہ کے ارباب حل و عقد کے کانوں پر جوں تک نہیں رہتی۔ اس سلسلہ میں ارباب مدارس کے بھی کچھ تحفظات اور مجبوریات ہیں جو ہمارے پیش نظر ہیں اور ہم نے اپنے مضامین میں ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے لیکن ان تحفظات اور مجبوریوں کے دائرے قائم رکھتے ہوئے بھی جو ضروری ترامیم اور اضافے آسانی کے ساتھ ہو سکتے تھے، بد قسمتی سے انہیں بھی نظر انداز کر دیا گیا اور ابھی تک مسلسل نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے دور کے اکابر علما میں سے تھے اور ان کا شمار حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ابتدائی دور کے مایہ ناز شاگردوں میں ہوتا ہے جب حضرت شاہ صاحب دارالعلوم دیوبند میں پڑھایا کرتے تھے۔ مولانا نعمانی اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں کہ جس سال وہ دورہ حدیث سے فارغ ہوئے تو حضرت شاہ صاحب نے دورہ حدیث کے طلبہ کو رخصت کرنے سے قبل ایک خصوصی نشست میں ہدایات اور نصائح سے نوازا جن میں سب سے اہم نصیحت یہ تھی کہ اگر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام صحیح طریقے سے کرنا چاہتے ہو تو اس کے لیے انگریزی زبان سیکھنا ضروری ہے۔ اس واقعہ کو پون صدی گزر چکی ہے مگر ہمارے مدارس اب بھی انگریزی زبان کے بارے میں تردد کا شکار ہیں کہ سرے سے اس کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز نے بھی اس مسئلے پر بہت کچھ فرمایا مگر ان کی آواز بھی صدیوں صبحِ اٹا بت ہوئی۔ میں اس موقع پر ان کے دو تین ارشادات نقل کرنا چاہوں گا جس سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ دینی مدارس کے نصاب و نظام میں تبدیلی کی ضرورت پر اکابر علما کے احساسات اور اس کے ارباب اختیار کے ذہنی و فکری جمود کے درمیان کتنا فاصلہ تھا۔

حضرت تھانوی قرآن کریم کی تدریس کے مروجہ طرز پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”قرآن شریف کا طرز عام مصنفین کے طرز پر نہیں ہے بلکہ محاورہ بول چال کا طرز ہے۔ نہ اس میں اصطلاحی الفاظ کی پابندی۔ نہ واقف لوگ اس کو عام تصانیف کے طریقہ پر منطبق کرنا چاہتے ہیں اس لیے سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس مضمون کو صاحب کشف نے بھی لکھا ہے۔ اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ ضروری صرف وہی اور کسی قدر ادب پڑھا کر قرآن شریف کا سادہ پڑھا دینا مناسب ہے کیونکہ کتب درسیہ کی تحصیل کے بعد دماغ میں اصطلاحات رچ جاتی ہیں پھر

طالب علم قرآن شریف کو اسی طرز پر منطبق کرنے لگتا ہے۔ اس طرح قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ کر پھر فنون ضرور پڑھے کیونکہ بعض مقامات قرآنیہ بغیر فنون کے حل نہیں ہوتے“ (کلام الحسن ص ۳۲)

اسی مسئلہ کو ایک اور انداز میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ

”اہل مدارس طرز تعلیم میں کچھ ترمیم کریں۔ جیسے بعض متون بغیر شرح کے پڑھائی جاتی ہیں، اسی طرح جلالین سے پہلے قرآن مجید بھی بغیر کسی خاص تفسیر کے زبانی حل کے ساتھ پڑھایا جایا کرے۔ یا تو پورا قرآن پہلے پڑھا دیا جائے یا ایسا کریں کہ مثلاً ربع پارہ اول خالی قرآن کریم میں پڑھا دیا جائے پھر اسی قدر جلالین پڑھا دی جائے اور مدرس اپنی سہولت کے لیے خواہ جلالین اپنے پاس رکھے یا اور کوئی مبسوط تفسیر۔ تو طلبہ کو پڑھنے میں، اسی طرح یاد کرنے کی اور مطالعہ کر کے حل کرنے کی عادت پڑ جائے گی“ (اصلاح انقلاب ص ۴۷)

جبکہ نصاب میں ضروری اضافوں کے حوالے سے حضرت تھانویؒ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ:

”یہ میری بہت پرانی رائے ہے اور اب تو رائے دینے سے بھی طبیعت افسردہ ہو گئی اس لیے کہ کوئی عمل نہیں کرتا۔ وہ رائے یہ ہے کہ تعزیرات ہند کے قوانین اور ڈاک خانہ اور ریلوے کے قواعد بھی مدارس اسلامیہ کے درس میں داخل ہونے چاہئیں۔ یہ بہت پرانی رائے ہے مگر کوئی مانتا اور سنتا ہی نہیں۔“ (الافاضات الیومیہ، جلد ششم، ص ۳۳۵)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس اللہ سرہ العزیز کے ان ارشادات کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دینی مدارس کے نصاب و نظام اور طرز تدریس دونوں میں تبدیلی اور وقت کی ضروریات کو ان میں سمونے کی ضرورت کا احساس بہت پرانا ہے اور اس کا اظہار بڑے بڑے اکابر نے کیا ہے لیکن دوسری طرف مدارس کے ارباب حل و عقد کے جمود کی بھی داد دیجیے کہ حضرت تھانویؒ جیسے بزرگ کو بھی اس حسرت کے ساتھ سپر انداز ہونا پڑا ہے کہ ”کوئی مانتا اور سنتا ہی نہیں۔“

ہمارے دور میں اس مسئلہ پر سب سے زیادہ بحث حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ قدس اللہ سرہ العزیز نے کی ہے اور درجنوں مضامین و مقالات میں انہوں نے نصاب تعلیم اور طرز تدریس میں وقت کے تقاضوں کے مطابق تبدیلی کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ نصاب میں تین طرح کی تبدیلیوں کی ضرورت ہے:

(۱) تخفیف، یعنی بھاری بھر کم نصاب کو کچھ ہلکا کیا جائے اور ایک ہی فن میں درجنوں کتابیں الگ الگ پڑھانے کے بجائے تین چار اہم اور زیادہ مفید کتابوں کی تعلیم دی جائے۔

(۲) تیسیر، یعنی مشکل پسندی کا طریقہ ترک کر کے غیر متعلقہ مباحث میں طلبہ کے ذہنوں کو الجھانے کے بجائے نفس کتاب اور نفس مضمون کی تفہیم کو ترجیح دی جائے۔

(۳) اثبات و ترمیم، یعنی غیر ضروری فنون کو حذف کر کے جدید اور مفید علوم کو شامل کیا جائے۔ حضرت بنوریؒ

نے اس سلسلہ میں جن نئے علوم کو نصاب میں شامل کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے، ان میں ۱۔ تاریخ اسلام، ۲۔ سیرت النبیؐ، ۳۔ جدید عربی ادب وانشاء، ۴۔ جدید علم کلام، ۵۔ ریاضی اور ۶۔ معاشیات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ اس مسئلہ پر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی بحث کی ہے اور انہوں نے ۲۲ فروری ۱۹۳۷ء کو لکھنؤ میں عربی مدارس کے نصاب کے بارے میں ایک کمیٹی کی صدارت کرتے ہوئے جو خطبہ ارشاد فرمایا، وہ ہمارے نصاب و نظام پر ایک جامع اور مکمل تبصرہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس موضوع سے دل چسپی رکھنے والے ہر شخص کو اس کا بار بار مطالعہ کرنا چاہئے۔ یہ خطبہ صدارت ادارہ نشریات اسلام اردو بازار لاہور کے طبع کردہ ”خطبات آزاد“ میں موجود ہے اور ہم نے بھی ماہنامہ الشریعہ کے نومبر ۱۹۹۳ء کے شمارے میں اسے شائع کیا ہے۔ اس مختصر مضمون میں اس کے تمام ضروری مباحث اور پہلوؤں کا تذکرہ تو ممکن نہیں ہے مگر دو اقتباسات ضرور پیش کرنا چاہوں گا تاکہ وقت کی ضروریات اور تقاضوں سے ہماری بے خبری بلکہ بے پروائی کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

”حضرات اچھے معاف کیا جائے۔ ۱۵۲۱۳ برس تک لڑکے پڑھتے ہیں اور دس سطریں عربی کی صلاحیت کے ساتھ نہیں لکھ سکتے۔ اگر لکھیں گے تو ایسی عربی ہوگی جس کو ایک عرب نہ پہچان سکے گا۔ تو یہ ایک بہت بڑا نقص ہے جو ہندوستان میں پیدا ہوا۔ ضرورت ہے کہ عربی کی تعلیم کی نونے سرے سے قائم کریں۔ بہترین کتابیں موجود ہیں، بہترین مواد موجود ہے، ایسی کتابیں موجود ہیں کہ عربی ادب کے معجزات میں جن کا شمار ہو سکے۔“

اسی خطبہ میں مولانا آزاد فرماتے ہیں

”میں نے بھی سمجھی ہوئی چٹائیوں پر بیٹھ کر انہی کتابوں کو پڑھا ہے اور میری ابتدائی تعلیم کا وہ سرمایہ ہیں۔ ایک منٹ کے لیے بھی میرے اندر مخالفت کا خیال نہیں پیدا ہو سکتا مگر میرا دل اس بارے میں زخمی ہے۔ یہ معاملہ تو ایسا تھا کہ آج سے ایک سو برس پہلے ہم نے اس چیز کو محسوس کیا ہوتا اور اس حقیقت کو تسلیم کیا ہوتا کہ اب دنیا کہاں سے کہاں آگئی ہے اور اس کے بارے میں کیا تبدیلی ہوئی ہے لیکن اگر سو برس پہلے ہم نے تبدیلی نہیں کی تو کم از کم یہ تبدیلی ہم کو پچاس برس پہلے کرنا چاہئے تھی۔ لیکن آج ۱۹۳۷ء میں اپنے مدرسوں میں جن چیزوں کو ہم معقولات کے نام پر پڑھا رہے ہیں، وہی چیزیں ہیں جن سے دنیا کا دماغی کاررواں دو سو برس پہلے گزر چکا۔ آج ان کی دنیا میں کوئی جگہ نہیں ہے۔“

الغرض دینی مدارس کی تمام تر خدمات، قربانیوں، ایثار اور تاریخی کردار کے باوجود آج کے دور کے تقاضوں اور ضروریات کے حوالے سے ان کے نصاب و نظام میں ضروری رد و بدل اور مناسب ترمیم و اضافہ وقت کی ایک اہم ترین ضرورت ہے جس کی طرف اکابر علماء و محقق ہر دور میں توجہ دلاتے چلے آ رہے ہیں اور ہماری گزارش بھی یہی ہے کہ وقت کے تقاضوں کو محسوس کیا جائے، دینی ضروریات کو سامنے رکھا جائے اور مستقبل کے امکانات و خطرات کا ادراک کرتے ہوئے باہمی مشاورت کے ساتھ جو تبدیلی بھی ناگزیر ہو، اسے اختیار کرنے میں تاہل سے کام نہ لیا جائے۔

اس سلسلہ میں دینی مدارس کے سینئر اساتذہ اور دور حاضر کے مسائل و ضروریات پر نظر رکھنے والے ارباب علم و دانش کے درمیان وسیع پیمانے پر مذاکروں اور مباحثوں کی ضرورت ہے۔ ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو بخوبی سمجھنے کے ساتھ سنے اور اس کی روشنی میں تمام پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے قدم بڑھانے کی ضرورت ہے۔ خدا کرے کہ ہمارے ارباب مدارس اس ضرورت کا جلد احساس کریں اور اسے پورا کرنے کے لیے حوصلہ اور جرات کے ساتھ پیش رفت کر سکیں۔

آمین یا رب العالمین

انتہائی افسوس ناک پولیس ایکشن

مارچ ۲۰۰۱ء کے تیسرے ہفتے کے دوران میں لاہور میں ملک کے معروف روحانی پیشوا اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر حضرت مولانا سید نفیس شاہ صاحب الحسینی مدظلہ کی رہائش گاہ پر ندوۃ العلماء لکھنؤ سے آئے ہوئے حضرت مولانا سید سلمان ندوی اور ان کے رفقا قیام پذیر تھے کہ نصف شب کو پولیس اہل کاروں نے وہاں دھاوا بول دیا، چند معزز مہمانوں سمیت مکان میں موجود متعدد حضرات کو گرفتار کر کے آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر پولیس ہیڈ کوارٹر لے جایا گیا اور رات بھر انہیں پریشان و ذلیل کیا گیا۔ یہ پولیس ایکشن نہایت افسوس ناک بلکہ شرمناک ہے جس سے عالمی سطح پر پاکستان کی بدنامی ہوگی۔ اس پولیس ایکشن کی جس قدر مذمت کی جائے، کم ہے۔ ہم گورنر پنجاب سے مطالبہ کرتے ہوئے کہ وہ ذاتی طور پر اس واقعہ کا نوٹس لیں اور اس کے ذمہ دار پولیس افسران کے خلاف سخت کارروائی کے علاوہ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے آنے والے معزز مہمانوں کی توجہ پر سرکاری سطح پر معذرت کی جائے۔

دارالعلوم دیوبند کی ڈیڑھ سو سالہ خدمات پر خراج تحسین پیش کرنے کے لیے

جمعیت علماء اسلام پاکستان کے زیر اہتمام

خدمات دارالعلوم دیوبند کا نفرس

۹-۱۱ اپریل ۲۰۰۱ء بروز پیر، منگل، بدھ تارو جب پشاور میں منعقد ہو رہی ہے جس میں مختلف ممالک سے اکار علماء کرام، زعماء قوم اور اہل دانش شریک ہو کر اکار علماء دیوبند کی خدمات اور جدوجہد پر خراج عقیدت پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ملک بھر کے اصحاب سے گزارش ہے کہ وہ اس کانفرنس میں جوق در جوق شریک ہوں اور اسے کامیاب بنانے کے لیے بھرپور تعاون کریں۔

منجانب: پاکستان شریعت کونسل

روایت حدیث میں ائمہ کی احتیاط

حضرت عمرؓ نے حزم و احتیاط کے طور پر حضرت ابو مسعودؓ، حضرت ابو الدرداءؓ اور حضرت ابو ذرؓ کو ایک موقع پر قید کر دیا تھا کہ وہ کثرت سے حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ (المختصر ص ۴۵۹) تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حدیثوں کے بارے میں بھی باز پرس ہوتی ہے اور وہ بے ثبوت حدیثیں پیش کرنے کی جسارت نہ کریں۔ امام علی ابن المدینی (المتوفی ۲۳۳ھ) نے، جو جلیل القدر محدث اور امام بخاریؒ کے استاد تھے، صاف اور صریح الفاظ میں لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ میرے والدین حدیث میں ضعیف ہیں، ان کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۷) امام وکیع بن الجراح (المتوفی ۱۹۷ھ) جو امام الحافظ الثبت اور محدث العراق تھے، ان کے والد سرکاری خزانیچی تھے۔ اسی وجہ سے امام وکیع ایسی روایت کو جس میں ان کے والد متفرد ہوتے، قبول نہیں کرتے تھے تا وقتیکہ کوئی اور ثقہ راوی بھی اس حدیث کو بیان نہ کرتا۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۳۰) حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ کو جب کسی حدیث میں شک پڑتا تو اس ساری حدیث کو ترک کر دیتے۔ (الذبیح المذہب ص ۲۳) امام سعید بن مسعود (المتوفی ۲۲۶ھ) کو، جو امام اور الحافظ تھے، جب کسی حدیث کے ایک کلمہ میں توقف اور تردد ہوتا تو ساری حدیث کو ترک کر دیتے اور اس کے روایت نہ کرتے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۴) حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دس ہزار حدیثیں اس لیے ترک کر دیں کہ ان کے ایک راوی میں کوئی بات محل غور و فکر نظر آئی اور اتنی ہی تعداد میں ایک دوسرے راوی کی حدیثیں بھی اسی وجہ سے ترک کر دیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۲۵) حضرت امام اوزاعیؒ کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی تیرہ عدد ضخیم کتابیں تھیں، وہ زلزلہ کے موقع پر جل گئیں۔ اتفاقاً ان میں سے ایک کتاب کسی طرح بچ گئی۔ وہ کسی آدمی کو مل گئی اور وہ اسے امام صاحبؒ کے پاس لے آیا کہ یہ آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اور اصلاح کردہ کتاب ہے لیکن امام اوزاعیؒ نے اس کتاب کو جب تک زندہ رہے، قبول نہ کیا، کیونکہ وہ درمیان کے کچھ عرصے میں ان کی نظروں سے اوجھل رہی تھی۔ (صحیح ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۲ و تہذیب العجیب ج ۱ ص ۲۴۲)

سور کے گوشت کے نقصانات

قرآن حکیم نے سور کے گوشت کے بارے میں یہ حکم دیا

انما حرم علیکم الميتة والدم
ولحم الخنزیر وما اهل به لغير الله
فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا
اثم علیه ان الله غفور رحیم
(البقرہ ۱۷۳)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے تم پر مردار،
خون اور سور کا گوشت اور وہ چیز جس پر اللہ کے سوا
کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ ہاں جو شخص مجبوری اور
اضطرار کی حالت میں ان میں سے کوئی چیز کھالے
بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی یا حد سے تجاوز کرنے
کا ارادہ رکھتا ہو، تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک
اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

قرآن حکیم خنزیر کے گوشت کو چار مختلف آیات میں منع کرتا ہے۔ اس کے حرام ہونے کا حکم سورہ بقرہ کی آیت
نمبر ۱۷۳، سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۳، سورہ الانعام کی آیت نمبر ۱۴۵ اور سورہ النحل کی آیت نمبر ۱۱۵ میں صریحاً دیا گیا
ہے۔ اس حکم کو چار مختلف سورتوں میں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس حقیقت کو پر زور طریقے سے لوگوں کو بتایا
جائے اور یہ کہ ہر شخص اس مسئلہ پر پوری توجہ کرے۔

روزمرہ زندگی میں سور سے دور رہنے کے لیے یہی وجہ کافی ہے کہ بے حد غلیظ جانور ہے اور ان میں مشہور قسم
کے نقصان دہ طفیلی جراثیموں کی تھیلی Trichina Cyst پائی جاتی ہے، مگر بد قسمتی سے ان معاشروں میں جہاں کئی
سالوں تک سور کے گوشت پر پابندی رہی ہے، کچھ لوگوں نے اب یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ جانور کے ڈاکٹری
معائنے کے بعد اس کو کھایا جاسکتا ہے۔

سور کے گوشت کی ممانعت کے پیچھے کیا وجوہات ہیں؟ گزشتہ ۲۵ سالوں میں قرآن حکیم کے اس حکم کی تائید
میں سائنس نے متعدد وجوہ و دعوئیں دی ہیں اور خود سائنس دان بھی اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر حیرت زدہ رہ گئے ہیں جو اس
نے قرآن حکیم کی اس آیت میں دیا ہے۔ اب میں سور کے جسم کے ان حصوں پر سائنسی تحقیقات کا خلاصہ پیش کروں

گا جو انسانی صحت کے لیے مضرت رساں ہیں۔

مشہور جرمن میڈیکل سائنس دان ہینز ہائزک ریوگ (Hans Heinrich Rehweg) نے سؤر کے گوشت میں ایک عجیب قسم کی زہریلی پروٹین سٹوکسن (Sutoxin) کی نشان دہی کی ہے جس سے کئی قسم کی الرجی والی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ زہر اس قسم کی الرجی والی بیماریوں مثلاً ایگزیم اور دمہ کے دورے (Asthmatic Rash) کا باعث بنتی ہے۔ اگر سٹوکسن کی مقدار یا خوراک کم ہو تو بھی اس سے تھکاوٹ اور جوڑوں کے درد کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے اگر کچھ لوگوں کی اس بات کو تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا جائے کہ سؤر کا گوشت سستا ہوتا ہے تو اس سے پیدا ہونے والی بیماریاں بہت مہنگی ہوتی ہیں لہذا ان بیماریوں کے علاج میں وقت کے ضیاع اور دواؤں کے اخراجات کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے۔ تب اس گوشت کی کوئی خوبی نظر نہیں آئے گی۔

جانوروں پر تجربات کے سلسلے میں سؤر کا اثر ہمیشہ نظر آ جاتا ہے۔ اس جانور کے رطوبت چھوڑنے والے غدودوں کے نظام (Lymphatic System) میں تیزی سے ہونے والی فرسودگی سے ایسی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جو اس وجہ سے ہے کہ یہ جانور نقصان دہ بیکٹیریا سے بھری ہوئی خوراک متواتر بغیر وقفہ کے کھاتا رہتا ہے۔ خنزیر کے گوشت میں ایک عنصر میوکوپولائزک چرائڈ (Muco Polysac Charides) کافی تعداد میں پایا جاتا ہے اور چونکہ اس میں گندھک (Sulphur) ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے، اس لیے اس کی وجہ سے جوڑوں کی بہت سی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ سؤر میں بڑھنے کے عمل میں تیزی پیدا کرنے والے ہارمونز ایک بڑی مقدار میں پائے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے گوشت کے عادی لوگوں کے جسم بھی بد نما اور عیب زدہ ہو جاتے ہیں۔

ایک اور پریشان کن بیماری جو سؤر کے گوشت کے ذریعے سے پیدا ہوتی ہے، اسے شیپ وائرس (Sheep virus) کہتے ہیں۔ یہ وائرس انسانی پھیپھڑوں کو نقصان پہنچاتا ہے، اس لیے کہ خود سؤر کے پھیپھڑوں میں بھی یہ کثیر مقدار میں پایا جاتا ہے۔

سؤر کا گوشت خون میں چربی والے اجزاء کے تناسب کا ضرورت سے زیادہ مقدار میں اضافہ کرتا ہے۔ آج کل ایسی خوراک یعنی قیر بھری آنتوں (Sausages) اور سلامی (Salami) وغیرہ بہت مرغوب سمجھی جاتی ہیں۔ سؤر کھانے والوں کے جسم رفتہ رفتہ ایک انگلیٹھی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یورپ کے کئی شہروں میں یہ حقیقت باسانی دیکھی جاسکتی ہے۔ پروفیسر لٹری (Prof. Lettre) نے تابکاری طریقے (Radioactive Tagging) استعمال کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ خوراک جسم کے اسی حصے میں مرکوز ہو جاتی ہے جس حصے کی وہ

خوراک ہے۔ چنانچہ اس نظریہ کا ثبوت مل جاتا ہے کہ سؤ رکھانے والوں کے چوڑوں میں چربی اکٹھی ہو جاتی ہے۔ سؤ رکھانے والوں کو لاحق ہونے والی ایک اور مہلک بیماری چنونی یا کیڑوں والی بیماری ہوتی ہے جسے Trichina کہتے ہیں۔ سٹاہل (Stahl) نے اس موضوع پر اپنی کتاب This Wormy World میں یہ بتایا ہے کہ اس وقت دنیا میں قریباً تین کروڑ کی تعداد میں لوگ اس بیماری کے شکار ہیں۔ اعلیٰ پر مٹی خیالات کے برخلاف اوپر بیان کردہ بیماری نرائی کینا داغ میں صرف نقصان دہ گلٹی یا تھیلی ہی نہیں بناتی بلکہ چونکہ سور سے پھیلائی گئی یہ باخون میں رکاوٹ یا خنجر کرنے کا عمل بھی پیدا کرتی ہے، اس لیے اس سے ٹائیفائڈ جیسا موزی مرض بھی پیدا ہوتا ہے اور اس سے اچانک موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ سور کا گوشت جسم کے پٹھوں میں مرکوز ہو کر پٹھوں کی خطرناک بیماریوں کو جنم دیتا ہے۔

سور سے متعلق مخصوص چوڑے خنزیری کیڑے (Tape Worm) والی ایک اور بیماری بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بہت سے یورپی ممالک میں سور کے پھپھڑوں کا کھانا ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ مگر سور کے عام گوشت کے ذریعہ بھی یہ بیماری پیدا ہو سکتی ہے۔ انسانی صحت کو سب سے زیادہ نقصان اس بیماری سے ہوتا ہے جس سے اس جانور کے گردوں کی سخت چربی کے ذریعے آنتوں میں خاص قسم کے طفلی کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک عام فہم بات ہے کہ جانوروں کے گوشت میں دوسری قسم کی چربی ہوتی ہے۔ ان میں سے پہلی تو وہ ہے جو صاف نظر آتی ہے اور گوشت کے اوپر لپٹی ہوتی ہے جبکہ دوسری قسم کی چربی وہ ہوتی ہے جو خود گوشت کے پٹھوں کے ریشوں کے اندر ہی پائی جاتی ہے۔ جہاں تک چربی کا گوشت میں مرکوز ہوجانے کا معاملہ ہے، دوسری قسم کی چربی سے بطور خاص ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں عام قسم کے گوشت کی چیزوں میں چربی کا مرکوز ہوجانا درج ذیل ہے۔

چھڑنے کا گوشت ۱۰ فیصد

بھیز کا گوشت ۲۰ فیصد

بھیز کے پچے کا گوشت ۲۳ فیصد

سؤر کا گوشت ۳۵ فیصد

جانوروں سے حاصل کردہ چربی جو ہمارے جسم میں جاتی ہے، اس کے متعلق یہ تحقیق ہو چکی ہے کہ انسانی خون میں یہ سب سے کم مقدار میں تحلیل ہوتی یا گلٹی ہے۔ چنانچہ اس کے کھانے سے خون میں چربی (Lipid) اور کولیسٹرول (Cholesterol) کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اجزا خون کے بہاؤ میں زیادہ عرصہ تک موجود رہیں تو یہ چکنے سے رکاوٹ بناتے ہیں اور خون کی شریانوں کو سخت کر دیتے ہیں۔ آج کل تو پوری طرح سے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ خوراک میں چربی کا زیادہ مقدار میں ہونا ہی دل کی شریانوں کی بیماریوں کا سب سے بڑا سبب

ہے۔ خون میں چربی کی مقدار کا ضرورت سے زیادہ ہونا وقت سے قبل بڑھاپے، ضعف، فالج اور دل کے دورے کی بلاشبہ ایک عام وجہ ہے۔

آج کل قصاب کی دوکان میں داخل ہونے والا ہر گاہک بغیر چربی کے گوشت کا طلب گار ہوتا ہے لیکن دراصل اس چربی کی زیادہ اہمیت نہیں ہے جو گوشت کے باہر ظاہری طور پر نظر آتی ہے بلکہ اس چربی سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے جو ظاہری طور پر نظر نہیں آتی مگر گوشت کے اندر پٹھوں کے ریشوں میں چھپی ہوتی ہے۔

سور کے گوشت میں بہت زیادہ چربی سے ایک اور نقصان یہ ہے کہ انسانی جسم میں وٹامن ای ضرورت سے کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایسا گوشت کھانے والوں میں وٹامن ای فوراً تحلیل ہونے کے عمل سے اس وٹامن میں اندرونی تغلیبی کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اب یہ تو ہر کوئی جانتا ہے کہ وٹامن ای بہت سے دل چپ کام انجام دیتا ہے۔ ان میں سے ایک کام وہ ہے جس کا جینیاتی غدود (Sex Glands) پر اہم اثر ہے۔ موٹے لوگ، خاص طور پر سور کا گوشت کھانے والے لوگ وٹامن ای کی کمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور نتیجتاً جنسی طور پرست اور نامرد ہو جاتے ہیں۔ وٹامن ای کی کمی رفتہ رفتہ مختلف قسم کی جلدی اور آنکھوں کی بیماریاں پیدا کر دیتی ہے۔

جیسا کہ ہم نے ابتدا میں بتایا کہ مستقل اور متواتر گندی اور غلیظ خوراک اور فضلہ کھانے سے سور کے جسم کا لمبی نظام متواتر حرکت میں رہتا ہے اور ان حفاظت دینے والے اجزاء سے بھر رہتا ہے جن میں مخصوص سفید چربی ایومین (Albumin) پائی جاتی ہے۔ یہ اجزاء جو جسم کے محفوظ رکھنے والے نظام (Immune System) میں پیدا ہوتے ہیں اور جن پر متعدی امراض سے متعلق تحقیقات ہو رہی ہیں، دوسرے جسموں یا مخلوق کے لیے انتہائی زہریلے اور مہلک اثرات رکھتے ہیں۔ اس لیے ایک جسم یا مخلوق اپنے جسم کے خلیوں کی حفاظت کے لیے جو مخصوص قسم کے پروٹین پیدا کرتا ہے، وہی پروٹین دوسرے جسمے یا اس کے کھانے والے کے خلیوں کے لیے زہر کا اثر رکھتا ہے۔ اس حقیقت کی بنا پر سور کے گوشت کے مسلسل استعمال سے مختلف الرجی قسم کی بیماریاں اور پٹھوں کی سوجن کی بیماری بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ حتمی طور پر ثابت نہیں ہو سکا لیکن یہ بات قرین قیاس ہے کہ یہی اجزاء ہماری نسون اور طوبت پیدا کرنے والے لمبی نظام کے عمل میں انتشار کا باعث بھی بنتے ہیں۔

چونکہ خنزیر ایک ایسا جانور ہے جو بہت سی بیماریوں کا شکار رہتا ہے اس لیے یہ ناممکن ہے کہ اس کے گوشت کو کھانے اور ہضم کے ذریعے نقصان دہ سفید چربی والی ایومینز، جنہیں انتہی باڈی کہتے ہیں، انسانی جسم کے اندر داخل نہ ہو جائے۔

الغرض سور کا گوشت ایک ایسی خوراک ہے جسے نشوونما کے لیے نہیں بلکہ خود کو زہر یا مادی کھلانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے جبکہ اس سلسلے میں تمام قسم کے حقائق سامنے آچکے ہیں اور وہ لوگ جو اس کو محض شوق اور دکھاوے کے لیے کھاتے ہیں، ان کا مسئلہ تو اور بھی زیادہ خراب ہے۔

قرآن حکیم کی اس آیت کے ذریعے ایک اور اہم سبق جو ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ سور کے گوشت کو خون اور مردار کے ساتھ حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہاں اس کی مثال اس طرح ہے کہ نقصان دہ جراثیم اور جانوروں سے پیدا ہونے والے زہر (ٹاکسن) اس نیکے گوشت یعنی جگر یا دل کے گوشت میں ایک ساتھ جمع ہو جائیں، اسی قدر نقصان دہ اجزا سور کا گوشت مہیا کرتا ہے۔ ہماری توجہ بطور خاص خون میں پائی جانے والی رطوبت کے ایوزنز کا سور کے لہنی نظام سے پیدا ہونے والی ایوزنز کی طرف مبذول کرائی جا رہی ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں سور کے گوشت کو مردار کے گوشت سے اس لیے ملا دیا گیا ہے کہ ان دونوں میں جراثیم سے آلودہ گندگی پائی جاتی ہے اور خون سے اس لیے ملا دیا گیا ہے کہ دونوں کے ایوزنز میں نقصان دہ رطوبت پائی جاتی ہے۔

ہم صاف صاف دیکھ سکتے ہیں کہ قرآن حکیم اس فرمان کے ذریعے سے ایک بلا وجہ قسم کی نکتہ چینی نہیں کر رہا بلکہ انسانی صحت و تندرستی کے لیے ایک بیش قیمت تحفہ پیش کر رہا ہے۔

حیران کن بات یہ ہے کہ سور کے گوشت کے ان نقصانات کا وسیع طور پر علم ہو جانے کے بعد بھی اس کو متواتر کھایا جا رہا ہے۔ میرے خیال میں اس سلسلے میں معاشی عوامل کا خاص داخل ہے۔ مگر بہت جلد یہ چیز صحت کے لیے ایک خطرناک مسئلہ بن جائے گی۔ آج کل تو یہ بالکل عیاں بات ہے کہ دل اور خون کی شریانوں کی بیماریاں ان معاشروں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں جہاں سور کا گوشت عام طور پر کھایا جاتا ہے۔ پھر بھی تا حال سور کے گوشت میں ضرورت سے زیادہ چربی کا وجود عوام میں تشویش یا بحث مباحثے کا موضوع نہیں بنا ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ اب ایجنڈے پر آ چکا ہے اور یہ امید کی جاسکتی ہے کہ دنیا مستقبل قریب میں قرآن حکیم کے حکم کے مطابق سور کے گوشت سے اجتناب کر لے گی۔

آخر میں ہم اس سائنسی نقطہ نظر کو پیش کریں گے جس میں سور کے گوشت سے متعلق ایک اور اہم بات کی جاتی ہے۔ بہت سے مسلمان دانشوروں نے دعویٰ کیا ہے کہ صرف سور ہی ایک ایسا جانور ہے جس میں اپنی مادہ کے سلسلے میں کسی قسم کے حسد یا غیرت کا جذبہ نہیں پایا جاتا۔ اور اس لیے وہ اس کے لیے لڑائی بھی نہیں کرتا۔ اسی نسبت سے سور کھانے والے لوگ اور تو میں بھی جنسی طور پر بے غیرت ہوتی ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مدرسہ نصرت العلوم شعبہ تعلیم الاطفال کے استاد ماسٹر محمد اشرف صاحب کے چچا محترم گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین سے گزارش ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا فرمائیں۔

فہم قرآن کے ذرائع و وسائل

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا، اس لیے اس کے فہم کی اولین شرط عربی زبان کا مناسب علم ہے۔ لیکن محض عربی زبان کا علم فہم قرآن کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ قرآن کے نظم، اس کے زمانہ نزول کے حالات، کتب سابقہ اور حدیث و سنت کا علم بھی فہم قرآن کے لیے لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ ذیل میں ہم فہم قرآن کے ان ذرائع کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

قرآن کا نظم

کسی بھی کلام کے صحیح مفہوم کی تعیین میں اس کے نظم اور سیاق و سباق کی رعایت ایک بنیادی شرط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی متکلم جب کلام کرتا ہے تو وہ بات کے تمام اجزا کو الفاظ میں بیان نہیں کرتا بلکہ ایسی بیشتر باتوں کو حذف کر دیتا ہے جن کو اس کا مخاطب اپنے سابق علم، متکلم کے ساتھ اپنے تعلقات، اس کے لہجے، کلام کی ترتیب اور اس ماحول کی روشنی میں سمجھ سکتا ہے جس میں کلام کیا جا رہا ہے۔ یہ تمام لواحق کلام کے صحیح فہم کے لیے کلیدی حیثیت رکھتے ہیں اور کسی بھی کلام کو اگر اس کے ان لواحق سے بنا کر پیش کیا جائے تو اس بات کا غالب امکان ہے کہ نہ صرف متکلم کی منشا کا درست ابلاغ نہ ہو پائے گا بلکہ بعض صورتوں میں کلام کا مفہوم متکلم کی مراد کے بالکل الٹ لے لیا جائے گا۔

اس عام عقلی اصول کا اطلاق کتاب اللہ پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھئے:

صحیح مفہوم کی تعیین

قرآن مجید میں بہت سے مقامات ایسے ہیں کہ جن میں اگر سیاق و سباق کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو آیات کا انفرادی مفہوم خبط ہو کر رہ جاتا ہے۔ گمراہ فرقوں نے بیشتر اسی طریقے سے اپنی گمراہیوں کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

مثلاً سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے:

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور یہود و نصاریٰ
اور صابئین، ان میں جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر
ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، ان کو ان کے
رب کے ہاں اپنا اجر ملے گا اور ان پر نہ کوئی خوف
ہوگا اور نہ وہ ٹمکن ہوں گے۔ (۱)

ان الذہن آمنوا والذہن ہادوا
والنصاریٰ والصابئین من آمن باللہ
والیوم الآخر وعمل صالحا فلہم
اجرہم عند ربہم ولا خوف علیہم
ولا ہم یحزنون

مہدین نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نجات کے لیے رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا
ضروری نہیں بلکہ اس کا مدار ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور اعمال صالحہ پر ہے۔ لیکن اگر اس آیت کے سیاق کو دیکھا
جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ ان عقائد کی تفصیل بیان کرنے کے لیے نہیں آئی جو نجات کے لیے ضروری ہیں بلکہ
یہود کے اس عقیدہ کی تردید کے لیے آئی ہے کہ وہ نسلی اعتبار سے خدا کی منتخب قوم ہیں اور محض اس بنا پر آخرت میں خدا
کی نعمتوں اور رحمتوں کے مستحق ہوں گے۔ اس کا جواب اللہ نے یہ دیا ہے کہ اللہ کے ہاں کسی خاص گروہ یا قوم سے
متعلق ہونا نجات کے لیے معتبر نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ایمان اور عمل صالح کی شرط ہے۔ چونکہ یہ بات ایک عام
قاعدہ کی حیثیت سے بیان کی گئی ہے اور اس کا اطلاق رسول اللہ ﷺ سے پہلے گزر جانے والے لوگوں پر بھی ہوتا ہے،
اس لیے اس میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا ذکر ناموزوں تھا۔ چنانچہ صرف وہ باتیں ذکر کی گئی ہیں جو آیت میں
مذکور تمام گروہوں میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی تھیں۔

اسی طرح سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہے:

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ
نہیں۔ وہ تو اللہ کے رسول اور سلسلہ نبوت کو ختم
کرنے والے ہیں۔ (۲)

ماکان محمد ابا احد من رجالکم
ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین

منکرین ختم نبوت نے اس آیت میں خاتم النبیین کے لفظ کے قطعی مفہوم میں تحریف کرتے ہوئے اس کا
ترجمہ یہ کیا ہے: ”نبیوں پر مہر لگانے والا یعنی ان کی تصدیق کرنے والا“ اور اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس آیت
میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگرچہ حسی لحاظ سے آپ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے لیکن آپ اللہ کے رسول
ہیں اور آپ کی تصدیق سے آپ کی امت میں اور بھی نبی ہوں گے جو آپ کی روحانی اولاد ہوں گے۔

آیت کے مفہوم میں یہ تحریف اس کے سیاق کو نظر انداز کیے بغیر ممکن نہیں، کیونکہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے
منسبی حضرت زید بن حارثہ اور آپ کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب کے نکاح اور پھر جدائی کے واقعہ کے ضمن میں
آئی ہے۔ عرب کے معاشرے میں منسبی کو قطعی بنی ہی کا مقام دیا جاتا تھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے

حضرت زیدؑ کے طلاق دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے خود نکاح کر لیا تو منافقین نے اس کو فوجاً آرائی اور فتنہ انگیزی کا سامان بنالیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں کہ یہ نکاح اللہ کے حکم سے ہوا ہے اور اس کی حکمت ہی یہ ہے کہ عرب معاشرہ کی اس غلط رسم کو ختم کر دیا جائے۔ اس کے بعد مذکورہ آیت ہے جس کا مقصد اس تناظر میں، اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ چونکہ محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں اس لیے ضروری ہے کہ آپ ان تمام بد رسوم کا خاتمہ اپنی زندگی ہی میں کر جائیں۔

اس کی ایک اور مثال سورۃ الجن میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا	اللہ غیب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو
- الا من ارتضیٰ من رسول فانه	مطلع نہیں کرتا۔ رہے وہ جن کو وہ رسول کی حیثیت
یسلک من بین یدہ ومن خلفہ رسدا	سے منتخب فرماتا ہے تو وہ ان کے آگے اور پیچھے
	پہرہ رکھتا ہے۔ (۳)

اس آیت میں مفسرین نے بالعموم الا کو استثناء کے مفہوم میں لیا ہے جس سے بعض گمراہ فرقوں کو یہ استدلال کرنے کا موقع مل گیا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو بھی علم غیب عطا کرتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ علم الغیب اور اطلاع علی الغیب میں کیا فرق ہے، اگر ان آیات کے سیاق کو ملحوظ رکھا جائے تو اس استدلال کی بالکل نفی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس آیت سے متصل پچھلی آیت یہ ہے:

قل ان ادری اقرب ما توعدون ام	اطلاق کر دیں کہ مجھے کچھ پتا نہیں کہ جس عذاب کا
یحصل لہ ربی امدا۔ عالم الغیب فلا	تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، وہ قریب ہی ہے یا ابھی
یظہر علی غیبہ احدا	القدس کو کچھ دیر اور نالے گا۔

یہ آیات دراصل مشرکین کے مطالبہ عذاب کے جواب میں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے کہلوا یا جا رہا ہے کہ عذاب کے وقت کا مجھے کوئی علم نہیں کیونکہ عالم الغیب صرف اللہ ہے اور وہ اپنے غیب کی اطلاع کسی کو نہیں دیتا۔ اب اگر اگلی آیت میں الا کو استثناء کے معنی میں لے کر انبیاء کے لیے علم غیب کا اثبات کیا جائے تو پچھلے استدلال کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا، کیونکہ اس کا بنیادی نکتہ ہی یہ ہے کہ پیغمبر کو عذاب کے وقت کا علم نہیں اس لیے کہ اس کا تعلق غیب کے ان معاملات سے ہے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ کسی کو نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ محقق مفسرین نے یہاں الا کو استثناء کے بجائے لکن کے معنی میں لیا ہے۔ (۴)

حکمت قرآن

معرفت نظم کی دوسری اہمیت حکمت قرآن کے استنباط کے حوالے سے ہے۔ قرآن کی حکمت، فی الواقع، اس کے نظم میں پوشیدہ ہے اور نظم کی معرفت ہی وہ کھنچی ہے جس کے ذریعے سے اس لازوال خزانے تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

”نظم کے متعلق یہ خیال بالکل غلط ہے کہ وہ محض علمی لطائف کے قسم کی ایک چیز ہے جس کی قرآن کے اصل مقصد کے نقطہ نظر سے کوئی خاص قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک تو اس کی اصل قدر و قیمت یہی ہے کہ قرآن کے علوم اور اس کی حکمت تک رسائی اگر ہو سکتی ہے تو اسی کے واسطے سے ہو سکتی ہے۔ جو شخص نظم کی رہنمائی کے بغیر قرآن کو پڑھے گا، وہ زیادہ سے زیادہ جو حاصل کر سکے گا وہ کچھ منفرد احکام اور منفرد قسم کی ہدایات ہیں۔“

اگرچہ ایک اہل کتاب کے منفرد احکام اور اس کی مفرد ہدایات کی بھی بڑی قدر و قیمت ہے لیکن آسمان وزمین کا فرق ہے اس بات میں کہ آپ طب کی کسی کتاب المفردات سے چند جزی بونیوں کے کچھ اثرات و خواص معلوم کر لیں اور اس بات میں کہ ایک حافظ طیب ان اجزائے کوئی کیسیا اثر نسخہ ترتیب دے۔ تاج محل کی تعمیر میں جو سال استعمال ہوا ہے، وہ الگ الگ دنیا کی بہت سی عمارتوں میں استعمال ہوا ہو گا لیکن اس کے باوجود تاج محل دنیا میں ایک ہی ہے۔ میں باتیں یہ بات عرض کرتا ہوں کہ قرآن حکیم بھی جن الفاظ اور فقروں سے ترکیب پایا ہے، وہ بہر حال عربی لغت اور عربی زبان ہی سے تعلق رکھنے والے ہیں لیکن قرآن کی لائوتی ترتیب نے ان کو وہ جمال و کمال بخش دیا ہے کہ اس زمین کی کوئی چیز بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

جس طرح خاندانوں کے شجرے ہوتے ہیں، اسی طرح نیکوں اور بدیوں کے بھی شجرے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایک نیک کو ہم معمولی نیک سمجھتے ہیں حالانکہ اس نیک کا تعلق نیکوں کے اس خاندان سے ہوتا ہے جس سے تمام بڑی نیکوں کی شاخیں پھوٹی ہیں۔ اسی طرح بسا اوقات ایک برائی کو ہم معمولی برائی سمجھتے ہیں لیکن وہ برائیوں کے اس کنبے سے تعلق رکھنے والی ہوتی ہے جو تمام مہلک بیماریوں کو جنم دینے والا کنبہ ہے۔ جو شخص دین کی حکمت سمجھنا چاہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خیر و شر کے ان تمام مراحل و مراتب سے اچھی طرح واقف ہو۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ وق کا پتہ دینے والی بیماری کو نزلے کا پیش خیمہ سمجھ بیٹھے اور نزلے کی آمد آمد کو وق کا مقدمہ سمجھ کر ارادے دے۔ قرآن کی یہ حکمت اجزائے کلام سے نہیں بلکہ تمام تر نظم کلام سے واضح ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص ایک سورہ کی الگ الگ آیتوں سے تو واقف ہو لیکن سورہ کے اندر ان آیتوں کے باہمی حکیمانہ نظم سے واقف نہ ہو تو اس حکمت سے وہ کبھی آشنا نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح قرآن نے مختلف سورتوں میں مختلف اصولی باتوں پر آفاقی و انسی یا تاریخی دلائل بیان کیے ہیں۔ یہ دلائل نہایت حکیمانہ ترتیب کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ جس شخص پر یہ ترتیب واضح ہو، وہ جب اس سورہ کی تدبر کے ساتھ

تلاوت کرتا ہے تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ زیر بحث موضوع پر اس نے ایک نہایت جامع، مدلل اور شرح صدر بخشے والا خطبہ پڑھا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اس ترتیب سے بے خبر ہو، وہ اجزا سے اُگرچہ واقف ہوتا ہے لیکن اس حکمت سے وہ بالکل بی محروم رہتا ہے جو اس سورہ میں بیان ہوئی ہوتی ہے۔“ (۵)

اس کی ایک مثال سورہ بقرہ کے اس حصے میں دیکھی جاسکتی ہے جہاں شریعت کے احکام و قوانین بیان ہوئے ہیں۔ اس باب کے مضامین کی ترتیب یہ ہے:

توحید اور اس کے متعلقات (آیات ۱۶۳ تا ۱۷۶)

توحید کے ثمرات مثلاً ایمان، انفاق، اقامت صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ، ایفائے عہد اور حق پر استقامت (۱۷۷ تا ۱۷۹) فصاص کے احکام (۱۷۹، ۱۷۸)

وصیت اور اس میں تبدیلی کے احکام (۱۸۰، ۱۸۱)

روزے کے احکام (۱۸۳ تا ۱۸۷)

رشوت خوری کی ممانعت (۱۸۸)

جہاد، حج اور انفاق کے متعلق ہدایات (۱۸۹ تا ۲۲۱)

حیض، طلاق اور رضاعت کے مسائل (۲۲۲ تا ۲۳۷)

نماز پر محافظت کی تاکید (۲۳۸)

اس حصے کا آغاز توحید کے بیان سے ہوا ہے کیونکہ تمام دین کی بنیاد اسی پر ہے۔ اس کے بعد توحید کے ثمرات بیان ہوئے ہیں اور مختلف معاملات میں شریعت کے احکام بیان کرنے سے پہلے مسلمانوں کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ دین محض چند رسوم و نظو اہر کا نام نہیں ہے بلکہ زندگی سے نہایت گہرا تعلق رکھنے والے اعمال و اخلاق کا مجموعہ ہے، لہذا وہ اگلی امتوں کی طرح صرف رسوم کے بندے بن کر نہ رہ جائیں بلکہ دین کی اصلی حقیقتوں کو اپنائیں۔ نیکی اور تقویٰ کی اصل حقیقت واضح کرنے کے بعد ان معاملات کی طرف توجہ فرمائی جو تقویٰ پر مبنی ہیں اور جن پر معاشرہ کے امن اور بقا کا مدار ہے۔ اس ضمن میں حرمت جان کے حوالے سے فصاص اور حرمت مال کے حوالے سے وصیت کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ اس کے بعد روزے کے احکام کا ذکر ہے جن کے متصل بعد رشوت اور حرام خوری کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ جان و مال کے احترام اور حرمت رشوت کے احکام کے درمیان میں روزے کے احکام کے ذکر سے مقصد روزے کے اغراض و مقاصد اور اس کے فوائد کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ گویا روزہ جس طرح دوسروں کی جان و مال کے احترام کے حوالے سے نفس کی تربیت کرتا ہے، اسی طرح رشوت اور حرام خوری سے بچنے کے لیے بھی صبر کی اساس فراہم کرتا ہے۔ اسی صبر و استقامت کی اساس پر دین کی دو بڑی عبادتیں حج

اور جہاد قائم ہیں، چنانچہ اس کے بعد ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ جہاد کے ساتھ انفاق کی خاص مناسبت ہے، اس لیے اس کے متعلق بھی بعض ہدایات ذکر کی گئی ہیں۔ اسی انفاق کے ضمن میں یتیم عورتوں کے ساتھ نکاح کا مسئلہ بیان ہوا جس کے نکاح و طلاق اور رضاعت کے متعلق شریعت کی عمومی ہدایات بیان کرنے کے لیے بھی ایک مناسب موقع پیدا ہوا ہے۔ اس باب کا اختتام نماز پر محافظت کی تاکید سے ہوا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس باب کے آغاز پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ اس کے آغاز میں توحید کے ذکر کے بعد احکام شریعت کے سلسلہ میں سب سے پہلے آیت ۷۷ میں نماز اور ساتھ ہی زکوٰۃ کا ذکر آتا ہے۔ یہاں دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اس باب کا خاتمہ بھی نماز کے ذکر پر ہوا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس دین میں جو اہمیت نماز کی ہے وہ دوسری کسی چیز کی بھی نہیں ہے۔ ساری شریعت کا قیام و بقا اسی کے قیام و بقا پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو شریعت کی اقامت اور اس کی محافظت کے لیے ایک حصار اور ایک بازو کی حیثیت دی ہے۔ جو شخص اس کی محافظت کرتا ہے وہ گویا پوری شریعت کی محافظت کرتا ہے اور جو شخص اس میں رخنہ پیدا کرتا ہے وہ جیسا کہ حضرت عمروؓ سے منقول ہے، باقی دین کو بدرجہ اولیٰ ضائع کر دیتا ہے۔“ (۶)

مولانا نے ربط کلام کی اس وجہ کی تائید میں سورہ مومنون اور سورہ معارج کی آیات بطور نظیر نقل کی ہیں جن میں اسی اسلوب پر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ نماز دین کے لیے بمنزلہ حصار کے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے

قد افلح المؤمنون - الذین ہم فی
صلواتہم حاشعون
ایمان لانے والے یقیناً کامیاب ہیں، وہ جو اپنی
نمازیں عاجزی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔
اس کے بعد دین و اخلاق کی چند بنیادی باتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر میں پھر فرمایا ہے:
والذین ہم علی صلواتہم بحافظون
اور وہ جو اپنی نمازوں کی مکمل پابندی کرتے ہیں۔

(۷)

یعنی یہی اسلوب سورہ معارج کی آیات ۱۹-۳۳ میں پایا جاتا ہے۔

زمانہ نزول کے حالات

قرآن مجید اپنے پیغام اور تعلیمات کے لحاظ سے اگرچہ ایک آفاقی کلام ہے لیکن اپنے نزول کے لحاظ سے ایک خاص پس منظر رکھتا ہے۔ اس کے مخاطب ایک خاص سرزمین اور خاص زمانہ میں رہنے والے لوگ تھے جن کے عقائد

اعمال اور معاشرت کی اصلاح کو اس نے اپنا موضوع بنایا۔ اس کا نزول رسول اللہ ﷺ کی تیسس سالہ مدت دعوت میں مکمل ہوا اور اس کی ہدایات کا اس عرصہ میں پیش آنے والے مختلف حالات اور مراحل کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ قرآن مجید، اصلاً، رسول اللہ ﷺ کی اس دعوت کی تاریخ ہے۔ اس لحاظ سے اس کے مندرجات کو سمجھنے کے لیے ان خاص حالات سے عمومی طور پر واقفیت ضروری ہے جو اس کے تاریخی نزول کے پس منظر میں موجود تھے، اس لیے کہ قرآن اس خاص زمانہ کے مختلف گروہوں اور ان کے حالات کے متعلق جو اشارات کرتا ہے، اس کے مخاطبین کے لیے تو ان کو سمجھنا آسان تھا لیکن ہمارے لیے یہ اشارات بالعموم اس قدر مجمل اور مبہم ہیں کہ ان کا صحیح تصور ذہن میں قائم ہونا اس وقت تک مشکل ہے جب تک اس زمانے کی تاریخ سے واقفیت نہ ہو۔

اس واقفیت کے دو پہلو ہیں: ایک تو قرآن کے زمانہ نزول کے حالات اور اس کے مخاطب گروہوں کے معتقدات و خیالات اور ان کے معاشرتی حالات کا عمومی علم، اور دوسرا ان خاص جزوی واقعات سے آگاہی جو قرآن مجید کی بعض آیات کے نزول کا سبب بنیں۔

عمومی پس منظر

عمومی حالات سے آگاہی میں، مولانا حمید الدین فراہی کے الفاظ میں، مندرجہ ذیل باتیں شامل ہیں:

(۱) ہم کو اس وقت کے یہود و نصاریٰ و مشرکین و صابئین و غیرہ کے مذاہب و معتقدات سے واقف ہونا چاہئے۔

(۲) ہم کو عرب کے عام توہمات کو دریافت کرنا چاہئے۔

(۳) ہم کو جاننا چاہئے کہ نزول قرآن کی مدت میں کیا کیا واقعات رونے پیدا ہوئے اور ان سے عرب کی مختلف

جماعتوں میں کیا کیا مختلف باتیں زیر بحث آگئیں، کیا کیا نئی تہذیبی جھڑپیں اور تمام عرب میں کیا شورش پیدا ہو گئی؟

(۴) ہم کو یہ بھی جاننا چاہئے کہ عرب کس قدر وحشی اور تہذیبی تھے اور اس لیے کس قسم کے کلام سے متاثر ہو سکتے تھے۔

(۵) ہم کو یہ بھی جاننا چاہئے کہ عرب کا مذاق سخن کیا تھا، کس قسم کے کلام کے سننے اور بولنے کے وہ عادی تھے، رزم و بزم

میں ان کا خطیب کس روش پر چلتا تھا، ایجاز و اطناب، ترصیع و ترکیب اور دیگر اسالیب خطابت وہ کیوں کر استعمال کرتے تھے۔

(۶) اور بالآخر ہم کو یہ بھی جاننا چاہئے کہ عرب کے ذہن میں اخلاق کے مدارج نیک و بد کیا تھے۔ (۸)

مشرکین عرب

۱۔ سورۃ البقرۃ میں جوئے اور شراب کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فیهما اثم کبیر و منافع للناس۔ ”ان میں گناہ بہت بڑا ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔“ (۹)

اس آیت کے متعلق بالعموم یہ سمجھا گیا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے جوئے اور شراب کی طبعی اور ذاتی منفعت کا اعتراف کیا ہے جس کی بنیاد پر بعض مفسرین نے اس آیت سے شراب اور جوئے کا جواز کشید کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اگر عرب کے تمدنی حالات پر نظر ہو تو معلوم ہوگا کہ اس سے مراد ان کی تمدنی اور معاشرتی منفعت ہے۔ عرب کے فیاض اور سخی طبیعت کے لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ قحط کے موسم میں اکٹھے ہو کر شراب نوشی کی مجلسیں پھا کرتے تھے اور نشے میں مست ہو کر اپنے اونٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے۔ پھر ان کے گوشت کی ذمیریاں لگا کر ان پر جوا کھیلتے اور جو گوشت جیتنے، اس کو غریبوں اور محتاجوں میں بانٹ دیتے تھے۔ جوئے اور شراب سے حاصل ہونے والی یہی وہ معاشرتی منفعت تھی جس کی بنا پر جب قرآن مجید نے ان کی حرمت کا اعلان کیا تو بعض لوگوں کو اشکال ہوا کہ یہ مفید چیزیں کیوں حرام کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگرچہ ان میں بعض تمدنی فوائد ضرور ہیں لیکن ان کے نقصانات کا پہلو ان فوائد کے مقابلے میں غالب ہے، اس لیے ان کو حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ (۱۰)

۲۔ سورۃ النساء میں محرمات کے بیان میں ارشاد ہے: **وَحَلَائِلَ اِنْسَانِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ** "تمہارے صلیبی بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں" (۱۱)

صلبی کی قید سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رضاعی بیٹوں کی بیویاں حرام نہیں ہیں لیکن اگر اس کے پس منظر میں موجود حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس قید سے مقصود، درحقیقت، لے پالک بیٹوں کو خراج کرتا ہے کیونکہ اہل عرب کے ہاں ان کو حقیقی بیٹوں کا مقام حاصل تھا جس کی اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں مفصل تردید کی ہے۔ چنانچہ مفسرین نے بالاتفاق اس آیت کا یہی مفہوم مراد لیا ہے۔

۳۔ اسی طرح سورۃ الانعام کی آیات ۱۳۶ تا ۱۴۰ میں چوپایوں کی حلت و حرمت کے متعلق عرب کے بہت سے توہمات کا ذکر ہوا اور انداز بیان اجمالی اشارات کا ہے۔ مخاطبین چونکہ ان رسوم سے پوری طرح باخبر تھے، اس لیے ان کے لیے تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن جب آج ان آیات کو ہم پڑھتے ہیں تو ان رسوم کے متعلق بہت سے سوال ذہن میں آتے ہیں جن کا جواب ظاہر ہے کہ اس دور کی عرب معاشرت کے مطالعہ ہی سے مل سکتا ہے۔

اہل کتاب

قرآن کے مخاطب گروہوں میں مشرکین مکہ کے بعد دوسرا بڑا گروہ یہود کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے انکار اور مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کے لیے انہوں نے جو جو جتن کیے اور کتمان حق کے لیے جو جو طے اختیار کیے قرآن اسی اجمالی انداز میں ان کا ذکر کرتا اور ان کی چالاکیوں کا پردہ چاک کرتا ہے۔ ان اشارات کی

تفصیل اور یہودیوں کی خباثوں سے پوری طرح آگاہی حاصل کرنے کے لیے بھی دور نبوت کے حالات کا مطالعہ ضروری ہے۔

حکمت قرآن

آیات کے نفس مفہوم کی تعین کے علاوہ، زمانہ نزول کے حالات سے واقفیت کا نہایت گہرا تعلق قرآن مجید کی بعض ہدایات و احکامات کی حکمت سمجھنے سے بھی ہے۔ مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ کے لیے مسلمانوں کو بیت الحرام کے بجائے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیا گیا، رسول اللہ ﷺ کو چار سے زیادہ شادیوں کی اجازت کیوں دی گئی، حضرت زید کے ساتھ حضرت زینب کے نکاح اور پھر ان سے جدائی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے کیوں نکاح کیا، قرآن مجید نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین کیوں قرار دیا، یہ اور اس طرح کے دوسرے سوالوں کا جواب پانے اور اس باب میں قرآن کی ہدایات کی معنویت اور مناسبت سمجھنے کے لیے دور نبوت کی تاریخ کا تفصیلی مطالعہ از بس ضروری ہے۔

خاص آیات کا شان نزول

قرآن مجید میں آیات کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن کے نزول کا سبب کوئی خاص واقعہ یا حالت تھی جو اگر پیش نظر نہ ہو تو نہ صرف یہ کہ متعلقہ آیتوں کے اشارات صحیح طور پر سمجھے نہیں جاسکتے بلکہ بعض صورتوں میں نفس مفہوم کے اخذ کرنے میں بھی غلطی کا امکان غالب ہے۔ ایسے مواقع پر شان نزول سے واقفیت اس قدر اہم ہے کہ بعض صحابہ بھی عربی زبان سے براہ راست واقفیت اور زمانہ نزول کے عمومی حالات سے باخبر ہونے کے باوجود بعض آیات کا مفہوم نہ سمجھ سکے۔

۱۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ عروہ بن زبیر نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے صفا و مردہ کی سعی کے بارے میں فرمایا ہے:

فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح

جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے، اس پر کوئی گناہ کہ

عليه ان يطوف بهما

وہ صفا و مردہ کے درمیان سعی کرے۔

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر کوئی سعی نہ بھی کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: نیچے، تم غلط کہتے ہو۔ اگر یہ بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتے: لا جناح عليه ان لا يطوف بهما۔ (اس پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ ان کے درمیان سعی نہ کرے) یہ آیت درحقیقت انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ اسلام لانے سے پہلے مشلل کے مقام پر منات کا طواف کیا کرتے تھے اور صفا و مردہ کے مابین سعی کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (۱۲)

۲۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہے:

نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم
تمہاری بیویاں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں تو اپنی
انہی شنتم۔
کھیتوں میں آؤ جیسے چاہو۔ (۱۳)

اس آیت کی بنیاد پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فتویٰ دے دیا کہ آدمی اپنی بیوی سے اس کی دہر میں بھی
جماعت کر سکتا ہے۔ (۱۳) سنن ابی داؤد میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو علم ہوا تو انہوں نے فرمایا:
اللہ ابن عمر کو معاف کرے، بخدا ان سے غلطی ہوئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مدینہ میں انصار کے ساتھ یہود بھی رہتے
تھے اور انصار ان کو علیٰ لحاظ سے برتر سمجھتے اور بہت سی باتوں میں ان کے طریقے پر چلتے تھے۔ یہود کے ہاں عورتوں
سے صرف ایک ہی طویقے پر (یعنی سیدھا کرا) جماعت کرنا جائز تھا اور انصار نے بھی ان کی پیروی میں یہی طریقہ
اختیار کر لیا تھا۔ اس کے برخلاف قریش کے لوگوں میں عورتوں سے مختلف طریقوں سے (مثلاً لاکر، آگے کی طرف
سے، پیچھے کی طرف سے) جماع کرنے کا طریقہ رائج تھا۔ جب مہاجرین مدینہ آئے تو ان میں سے ایک آدمی نے
انصار میں سے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا اور اس کے ساتھ قریش کے طریقے پر جماع کرنا چاہا لیکن اس عورت
نے انکار کر دیا۔ ان کے درمیان بات بڑھ گئی اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں
یہ آیت نازل کی جس کا مطلب یہ ہے کہ جماع کا محل تو ایک ہی ہے لیکن اس کے لیے تم طریقہ کوئی بھی اختیار کر سکتے
ہو۔ (۱۵)

اس باب میں یہ بات، البتہ ملحوظ رہنی چاہئے کہ اگرچہ کسی واقعہ کی بنیادی تصویر معلوم کرنے کے لیے شان
نزدول کی روایات کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے لیکن اس کی تفصیلات بہر حال قرآن کی داخلی شہادت کی کسوٹی پر
پرکھ کر ہی قبول کی جائیں گی۔ روایات کو کسی بھی صورت میں قرآن پر حکم نہیں بنایا جاسکتا۔ درج ذیل دو مثالوں سے
یہ بات واضح ہو جائے گی۔

۱۔ غزوہ بدر کی تفصیلات میں وارد روایات میں بالعموم یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے لشکر کو لے کر
مدینے سے نکلے تو مسلمانوں کے سامنے اصل ہدف قریش کے تجارتی قافلے کو لوٹنا تھا، مکے سے آنے والے لشکر کے
ساتھ جنگ کا ان کو گمان بھی نہیں تھا۔ لیکن علامہ شبلی نعمانیؒ نے ان روایات کو قرآن مجید کی حسب ذیل آیات کی
روشنی میں رد کر دیا ہے:

کما اخرجک ربک من بیتک بالحق
جیسا کہ تمہارے رب نے تمہیں تمہارے گھر سے
وان فریقاً من المؤمنین لکاربھوں۔
تکالیف کے ساتھ جبکہ مومنوں کا ایک گروہ اس کو

تاپند کرتا تھا۔ (۱۶)

شبی کہتے ہیں کہ وائس واؤ حالیہ ہے جس کی رو سے مدینہ سے نکلنے اور ایک گروہ کے لڑائی سے جی چرانے کا زمانہ ایک ہونا چاہئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ موقع عین وہ موقع تھا جب آپ مدینہ سے نکل رہے تھے، نہ کہ مدینہ سے نکل کر جب آپ آگے بڑھے۔ (۱۷)

۲۔ غزوہ بدر ہی کے حوالے سے ایک اور غلط فہمی جو شان نزول کی روایات سے پیدا ہوتی ہے، یہ ہے کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو مشرکین کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے پر عتاب کیا گیا ہے:

ما كان لنبى ان يَكُون له اسرى حتى
يشحن فسى الارض تتريدون عرض
الدينيا والله يريد الاخرة والله عزيز
حكيم - لولا كسب من الله سبق
لمسكم فى ما اخذتم عذاب عظيم

کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ اس کو قید
ی ہاتھ آئیں یہاں تک کہ وہ اس کے لیے ملک
میں خوزری برپا کر دے۔ یہ تم ہو جو دنیا کے
سر و سامان کے طالب ہو۔ اللہ تو آخرت چاہتا
ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ
پہلے سے موجود نہ ہوتا تو جو روش تم نے اختیار کی
ہے اس کے باعث تم پر ایک عذاب عظیم آ
پڑے۔ (۱۸)

مولانا امین احسن اصلاحی اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فدیہ لے کر چھوڑنا سرے سے کوئی غلطی ہی
نہ تھی کیونکہ اس کی اجازت اس سے پہلے سورہ محمد میں دی جا چکی تھی اور یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے معا بعد اس
عمل کی تصدیق فرمائی ہے:

فكلوا مما غنمتم حلالا طيبا۔
تو وہ حلال و طیب مال کھاؤ جو تمہیں فہمت میں ملا
ہے (۱۹)

اور اگر بالفرض یہ غلطی بھی تھی تو اس کی نوعیت کسی سابق ممانعت کی خلاف ورزی کی نہیں تھی جس پر ایسی سخت
وعید وارد ہو، کیونکہ اس قدر سخت الفاظ میں قرآن مجید نے کفر کفار اور منافقین کے سوا اور کسی کو عتاب نہیں کیا۔ ان وجوہ
کی بنا پر مولانا فرماتے ہیں کہ اس وعید کے مخاطب کفار ہیں جنہوں نے بدر میں شکست کے بعد یہ پروپیگنڈا شروع
کر دیا تھا کہ یہ نبی معاذ اللہ ہوں اقتدار میں مبتلا ہیں، انہوں نے اپنی ہی قوم میں خوزری کرانی، اپنے بھائیوں کو قید
کیا، ان کا مال لوٹا اور ان سے فدیہ وصول کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی تہنیت
کی ہے اور کفار کو عتاب کیا ہے کہ یہ تو تمہیں صرف ایک چرکا لگا ہے جس پر تم اس قدر واویلا کر رہے ہو، اگر اللہ نے ہر

بات کے لیے ایک وقت مقرر نہ کر رکھا ہوتا تو تمہیں اسی موقع پر ایک عذاب عظیم آچکڑتا۔ (۲۰)

سابقہ آسمانی کتب

قرآن مجید کے مطالعہ میں کتب سابقہ کا علم مختلف پہلوؤں سے مددگار ہے۔

اہل کتاب پر اتمام حجت

قرآن مجید نے سورہ بقرہ اور سورہ المائدہ میں یہودی سابقہ تاریخ کے حوالے سے ان کے مذہبی جرائم کا تذکرہ با تفصیل کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہود نے کس کس طرح اللہ کے رسولوں کو ستایا اور اللہ کے احکام کے مقابلے میں ہٹ دھرمی اور ضد کارو یہ اختیار کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے جرائم کی پاداش میں ان پر بحیثیت قوم جو ذلت مسلط کی، اس کا بھی جگہ جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ کتب سابقہ کے مطالعہ سے یہود کے اس رویے کی تائید و تفصیل بھی مہیا ہو سکتی ہے اور اہل کتاب پر خود انہی کی کتاب کی روشنی میں اتمام حجت بھی کی جاسکتی ہے۔

اہل کتاب کی تحریفات کی اصلاح

قرآن مجید نے سورہ المائدہ میں خود کو سابقہ کتابوں کا منکسر یعنی نگران قرار دیا ہے۔ اسی سورہ میں دوسری جگہ

ارشاد ہے:

بینکم کثیرا مما کنتم تحفون من
یہ رسول تمہارے سامنے تورات کی بہت سی وہ
باتیں بیان کرتے ہیں جن کو تم چھپاتے رہے۔
الکتاب

(۲۱)

گویا قرآن کے نزول کا ایک بنیادی مقصد اہل کتاب کی تحریفات کی اصلاح ہے۔ انبیاء سابقین نے رسول اللہ ﷺ کے حق میں جو بشارتیں دی تھیں، یہود نے ان میں تحریف کر کے ان کو چھپانے کی کوشش کی۔ خود انبیاء سابقین کے متعلق انہوں نے بے بنیاد قصے گھوڑ کر ان کی شخصیات پر کچھڑا چھالا۔ اسی طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا تھے اور رسول اللہ ﷺ کے حق میں حضرت مسیح علیہ السلام کی واضح بشارت میں تحریف کر چکے تھے۔ قرآن مجید نے اس طرح کی تمام تحریفات کا پردہ چاک کیا اور تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے۔ سورہ الاعراف میں فرمایا:

سجدونہ عندہم مکتوبافی التوراة
یہ اس پیغمبر کو اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا
پاتے ہیں (۲۲)

والانجیل

سورہ البقرہ میں فرمایا:

سليمان نے بالکل کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر
کیا۔ (۲۳)

وما کفر سليمان ولكن الشياطين
کفروا
سورة النساء میں فرمایا:

وہ مسیح کو نہ قتل کر سکے اور نہ سولی دے سکے بلکہ ان
پر معاملہ مشتبہ کر دیا گیا۔ (۲۴)

وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم
سورة القصف میں فرمایا:

(عیسیٰ علیہ السلام نے کہا) اور میں ایک رسول کی
خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور
اس کا نام احمد ہوگا۔ (۲۵)

و مبشرا برسول ياتى من بعدى اسمه
احمد

ہمارے اہل علم میں سے جن لوگوں نے کتب سابقہ اور ان سے متعلق لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا ہے، انہوں نے ان
امور کی تحقیق میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ برصغیر میں مولانا حمید الدین فراہی کا رسالہ ”ذبح کون ہے؟“، سورة
القصف میں بشارت عیسیٰ علیہ السلام کے تحت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی اور ولکن شبه لهم کی تفسیر میں مولانا
عبد الماجد دریا بادی کی تحقیقات اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

اسی طرح یہود کی تاریخ کے بہت سے واقعات کے بارے میں قرآن کا بیان بائبل کے بیان سے مختلف ہے۔
اس حوالے سے بھی قرآن کے بیانات کی معنویت اس کے بغیر واضح نہیں ہو سکتی کہ ان کا موازنہ کتب سابقہ کے
بیانات سے کر کے دیکھا جائے۔

انبیاء کی تاریخ اور دین کی حکمت

قرآن مجید نے بعض مقامات پر کتب سابقہ کا ذکر اس انداز میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید
اپنے قارئین سے یہ چاہتا ہے کہ ان کتابوں کا مطالعہ کرے۔ سورة الاعلیٰ کے آخر میں فرمایا:

ان هذا لفسى الصحف الاولى۔
یہی تعلیم اگلے صحیفوں میں بھی ہے موسیٰ اور ابراہیم
صحف ابراہیم و موسیٰ

کے صحیفوں میں۔ (۲۶)

واقعہ یہ ہے کہ بے شمار تحریفات کے باوجود آج بھی ان صحائف میں اصل آسمانی تعلیمات کے اجزاء موجود ہیں
اور دین کی حکمت سمجھنے میں ان سے پیش بہا مدد مل سکتی ہے۔

سنت اور امت کا تواتر عملی

سنت سے مراد دین کے وہ عملی احکام ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے اس امت میں جاری فرمایا اور جنہیں امت مسلمہ کی ہر نسل اپنے تواتر عملی کے ذریعے سے اگلی نسل تک منتقل کرتی چلی آ رہی ہے۔

قرآن کی بنیادی اصطلاحات

رسول اللہ ﷺ درحقیقت کوئی نیا دین نہیں لے کر آئے تھے بلکہ آپ نے ملت ابراہیمی ہی کی ان تعلیمات و شعائر کا احیا کیا جو روز زمانہ اور اہل عرب کی تحریفات کے نتیجے میں مسخ ہو چکی تھیں۔ اس دین میں صلوٰۃ، صوم، حج، نسک، ہنذ اور اس طرح کے دوسرے احکام ایک معروف حقیقت کی حیثیت رکھتے تھے اور تحریفات کے باوجود، ان کا بنیادی تصور بالکل مٹ نہیں گیا تھا۔ قرآن ان کا ذکر کسی نئے حکم کے طور پر نہیں بلکہ ایک ایسی حقیقت کے طور پر کرتا ہے جو اس کے مخاطبین کے نزدیک ثابت شدہ اور مانی ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ملت ابراہیمی کے انہی ثابت شدہ شعائر کو لے کر ان میں در آنے والی تحریفات کو دور کیا اور مناسب ترمیم و اضافہ کے ساتھ انہیں امت مسلمہ میں ایک سنت کی حیثیت سے جاری کر دیا۔ یہ ملت ابراہیمی کی اصطلاحات ہیں جن کا مفہوم نسل در نسل تواتر کے ساتھ نقل ہوا ہے اور ان کے ثبوت یا ان کی بنیادی شکل و صورت کی تحمین میں ذرہ برابر بھی شبہ کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور امت مسلمہ کا تواتر عملی، قرآن کے ان بنیادی حقائق کی تفصیل کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حدیث

حدیث رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات و اقوال کا نام ہے جو آپ کے صحابہ نے انفرادی طور پر آپ سے سنے اور اسی طرح ان کو آپ کے نقل کر دیا۔ فہم قرآن میں حدیث کی اہمیت مختلف پہلوؤں سے ہے:

حکمت قرآن

رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر قرآن کا رمز شناس اور اس کے اسرار و معانی سے آگاہ کون ہو سکتا ہے؟ قرآن کے بعض احکام کی ظاہری تشریح و تعبیر میں بھی بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کا ہمسر کوئی نہیں ہو سکتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ کے خداداد علم و فہم اور پیغمبرانہ نکتہ شناسی کا اصل مظہر آپ کے ارشادات کا وہ حصہ ہے جس میں آپ نے قرآنی تعلیمات کے مغز کو پاکر ان کی توسیع بے شمار فروغ کی طرف کی ہے اور اس طرح دین کو ایک مفصل و مرتب ضابطہ کی صورت میں مشکل کر دیا ہے۔ آپ کے یہ ارشادات و اقوال دین کے تمام شعبوں کو محیط ہیں اور حکمت دین کے سمجھنے

میں جو رہنمائی ان سے ملتی ہے، اور کسی ذریعہ سے میسر نہیں ہو سکتی۔

قرآن کے مجمل کی تفصیل

قرآن مجید بالعموم کسی مسئلے کے بارے میں ایک حکم اصولی طور پر بیان فرمادیتا ہے لیکن اس سے متعلقہ جزوی امور کو مجمل چھوڑ دیتا ہے جن کی تفصیل رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں ملتی ہے۔ درج ذیل مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے محرمات کے ضمن میں ایسی عورت کو بھی شامل کیا ہے جس نے کسی بچے کو جنم تو نہیں دیا لیکن اس کو دودھ پلایا ہے۔ لیکن اس دودھ پلانے کی مقدار کیا ہو؟ نیز کیا عمر کے کسی بھی حصے میں کسی عورت کا دودھ پینے سے وہ ماں بن جاتی ہے؟ اس معاملے میں قرآن خاموش ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

لا تحرم المصاة ولا المصتان

ایک یا دو مرتبہ چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

(۲۷)

انما الرضاعة من المحاعة

رضاعت کا اعتبار بچے کی دودھ پینے کی عمر میں

ہے۔ (۲۸)

۲۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت دی ہے کہ وہ سفر کی حالت میں ہوں تو نماز کو قصر کر کے پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن قصر نماز میں کتنی رکعتیں کم پڑھی جائیں، اس کی کوئی تفصیل قرآن میں نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو واضح فرمایا ہے۔

۳۔ اسی کے متصل بعد اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت دی ہے کہ اگر مسلمان حالت جنگ میں ہوں اور نماز کا وقت آ جائے تو ان کو اجازت ہے کہ ان میں سے ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز کا کچھ حصہ پڑھ کر دشمن کے سامنے چلا جائے اور اس کی جگہ دوسرا گروہ آ جائے اور رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کرے۔

یہ محض ایک اصولی حکم ہے جس کی عملی صورت قرآن میں بیان نہیں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کی اس کی تفصیل فرمائی ہے اور آپ سے صلاۃ الخوف پڑھنے کے مختلف طریقے کتب احادیث میں نقل ہوئے ہیں۔ (۲۹)

قرآن کے مجمل کی تعیین

قرآن مجید میں متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مسئلے میں ایک حکم بیان فرمایا ہے جس کا اطلاق بعض صورتوں میں تو واضح ہے لیکن بعض صورتوں میں واضح نہیں بلکہ احتمال کے پہلو رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں حدیث دو یا زیادہ مجمل معنوں میں سے ایک کو متعین کر دیتی ہے۔ اس کی مثالیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے مردار جانور کو حرام اور ذبح کیے ہوئے جانور کو حلال قرار دیا ہے۔ لیکن اگر

ذبح کیے ہوئے جانور کے پیٹ میں سے مردہ بچہ نکل آئے تو آیا وہ ایک مستقل وجود ہونے کے لحاظ سے مردار شمار ہوگا یا ماں کا جز ہونے کے اعتبار سے مذبح؟ قرآن کی منشا اس معاملے میں غیر واضح ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

ذکاتہ ذکاة امہ اس کی ماں کا ذبح کرنا ہی اس کے لیے کافی ہے۔

(۳۰)

۲۔ سورہ مائدہ ہی میں اللہ تعالیٰ نے سدھائے ہوئے شکاری کتوں کے شکار کے بارے میں فرمایا ہے: فَبَلَّوْا مِمَّا امْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ "جس جانور کو وہ تمہارے لیے شکار کریں، اس کو تم کھا سکتے ہو اور ان کو (شکار پر چھوڑتے ہوئے) اللہ کا نام لیا کرو" اس حکم کا اطلاق بعض صورتوں میں غیر واضح ہے۔ مثلاً اگر سدھایا ہوا کتا جانور کو شکار کر کے اس کا کچھ گوشت خود بھی کھالے یا اس کتے کے ساتھ کوئی اور کتا بھی شکار کرنے میں شامل ہو گیا ہو تو کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

اذا ارسلت كلبك فاذا ذكر اسم الله اپنے کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا کرو۔ اگر وہ تمہارے لیے شکار کو پکڑے اور تم اس کو زندہ پالو تو اس کو ذبح کر لو۔ اگر تمہارے پیچھے سے قبل مر جائے اور تمہارے کتے نے اس کا گوشت نہ کھایا ہو تو تم اس کو کھا سکتے ہو۔ اگر تمہارے کتے کے ساتھ کوئی اور کتا بھی شامل ہو گیا ہو اور شکار مر چکا ہو تو اسے مت کھاؤ، کیونکہ معلوم نہیں ان میں سے

کس کتے نے اسے شکار کیا ہے۔ (۳۱)

۳۔ سورۃ البقرہ میں ایسی عورتوں کو جن کے خاوند فوت ہو گئے ہوں، چار ماہ دس دن تک عدت گزارنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ سورۃ الطلاق میں حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل بتائی گئی ہے۔ لیکن اگر کوئی عورت حاملہ ہو اور اس کا خاوند فوت ہو جائے تو وہ کون سی عدت گزارے گی؟ اس میں عقلی لحاظ سے دونوں احتمال ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعیین کرتے ہوئے ایسی صورت میں وضع حمل کو عدت قرار دیا ہے۔ (۳۲)

بعض اشکالات کا حل

فہم قرآن سے متعلق بعض اشکالات کا حل بھی رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں ملتا ہے۔

۱۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم

اولئک لہم الامم وہم مہتدون (جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے شائبے سے بھی پاک رکھا، انہی کو امن حاصل ہوگا اور وہی ہدایت یافتہ ہیں) تو صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اشکال پیش کیا کہ ہم میں سے کون آدمی ہے جس نے کچھ نہ کچھ ظلم نہ کیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے مراد شرک ہے: ان الشریک الظلم عظیم (۳۳)

۲۔ جامع ترمذی میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ قرآن میں تو نماز قصر کر کے پڑھنے کی اجازت حالت خوف میں دی گئی ہے، جبکہ اب لوگ امن میں ہیں (پھر یہ رخصت کیوں ہے؟) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے، سو اللہ کی دی ہوئی رخصت کو قبول کرو۔ (۳۴) گویا آپ نے واضح فرمایا کہ قرآن میں حالت خوف کا ذکر بطور ایک لازمی شرط کے نہیں ہے۔

۳۔ جامع ترمذی میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری: من یعمل سوء ایجز بہ (جو شخص جو بھی برائی کرے گا، اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا) تو صحابہؓ نے اشکال پیش کیا کہ یا رسول اللہ ہم سب سے گناہ سرزد ہوتے ہیں تو کیا ہمیں ان سب کی سزا ملے گی؟ آپ نے فرمایا: مؤمن کو دنیا میں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے یہاں تک کہ ایک کاٹنا بھی چھتا ہے تو وہ اس کے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتا ہے۔ (۳۵)

حوالہ جات

- (۱) البقرہ، آیت ۲۲
- (۲) الاحزاب، آیت ۴۰
- (۳) الجن، آیت ۲۶، ۲۷
- (۴) فالوی، سید محمود: روح المعانی،
- (۵) اسلامی، امین اسن: تہ قرآن، دہلی: تاج کتب، ۱۹۹۹ء، جلد اول، ص ۲۰، ۲۱
- (۶) المربع السابق: ج ۱، ص ۵۳۹
- (۷) المؤمنون، آیت ۱، ۲
- (۸) فرای، حمید الدین: ترتیب و نظام قرآن، مشمول قرآنی مقالات، لاہور: دارالحدیث، ۱۹۹۳ء، ص ۱۳
- (۹) البقرہ، آیت ۲۱۹
- (۱۰) تہ قرآن، جلد اول، ص ۵۰۵
- (۱۱) النساء، آیت ۲۳
- (۱۲) البخاری، محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح، المملکت العربیہ السعودیہ: دارالسلام، ۲۰۰۰ء، کتاب الحج، باب وجوب الصفاۃ المردۃ، حدیث نمبر ۱۶۳۳

(۱۳) البقرة، آیت ۲۲۳

(۱۳) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، حدیث نمبر ۳۵۲۷

(۱۵) ابو داؤد، سلیمان بن العصفی الجبلی: سنن ابی داؤد، المملكة العربية السعودية: دار السلام، ۲۰۰۰ء، کتاب النکاح، باب فی

جامع النکاح، حدیث نمبر ۲۱۶۳

(۱۶) الانفال، آیت ۵

(۱۷) شبلی نعمانی: سیرت النبی، لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۷۵ء، ج ۱، ص ۳۲۵

(۱۸) الانفال، آیت ۶۷

(۱۹) الانفال، آیت ۶۹

(۲۰) تفسیر قرآن، ج ۳، ص ۵۱۲، ۵۱۳

(۲۱) المائدہ، آیت ۱۵

(۲۲) الاعراف، آیت ۱۵۷

(۲۳) البقرة، آیت ۱۰۲

(۲۳) النساء، آیت ۱۵۷

(۲۵) الصف، آیت ۶

(۲۶) الاحقاف، آیت ۱۹، ۲۰

(۲۷) مسلم بن الحجاج: صحیح مسلم، المملكة العربية السعودية: دار السلام، ۲۰۰۰ء، کتاب الرضاخ، باب فی المصنوع والمصنوعان،

حدیث ۳۵۹۰

(۲۸) صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب من قال، الارضاخ بعد التحولین، حدیث نمبر ۵۱۰۲

(۲۹) سنن ابی داؤد: دار السلام، ۲۰۰۰ء، کتاب الصلاة، باب صلوة الخوف، احادیث ۱۲۳۶، ۱۲۳۸، ۱۲۳۸۵

(۳۰) المربع السابق، کتاب الضحایا، باب ما جاء فی ذکاة الجنین، حدیث نمبر ۲۸۲۷

(۳۱) صحیح مسلم، کتاب الصيد والذبائح، باب الصيد بالکتاب المعلقة والرمی، حدیث نمبر ۳۹۸۱

(۳۲) سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی عدة المولود، حدیث نمبر ۲۳۰۶

(۳۳) صحیح البخاری: کتاب التفسیر، سورة الانعام، حدیث ۳۶۲۹

(۳۴) الترمذی، ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ: جامع الترمذی، المملكة العربية السعودية: دار السلام، ۲۰۰۰ء، کتاب التفسیر، سورة النساء،

حدیث ۳۰۳۳

(۳۵) جامع الترمذی، کتاب التفسیر، سورة النساء، حدیث نمبر ۳۰۳۸

مغربی تہذیب کی یلغار

مسلمانوں کے ساتھ میڈیا کا معاندانہ رویہ

عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ اور وسائل نے اتنی ترقی کی ہے کہ اور اس کا دائرہ عمل اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ دنیا کا ہر گوشہ اس پر عیاں اور ہر جگہ اس کی پہنچ ہے۔ وہ جس واقعے کو جب اور جس وقت چاہے، اس کا واقعی یا خیالی پس منظر پیش کر سکتا ہے اور جس پر چاہے، پردہ ڈال سکتا ہے اگرچہ وہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو۔ بالخصوص امریکیوں کے پاس مسلمانوں کے خلاف میڈیا اور ذرائع ابلاغ کو چالاک کے ساتھ پیش کرنے کے ایسے تمام نسخے موجود ہیں جس سے وہ مثلاً اسامہ بن لادن کا سرکسی اور کے سر پر دکھا سکتے ہیں اور یہ ظاہر کر سکتے ہیں کہ اسامہ کسی عورت وغیرہ کو قتل کر رہا ہے۔ ان ذرائع کے اجارہ داروں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ سیکولرازم، آزادی رائے اور زندگی کے میدان میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے علم بردار ہیں۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان کا یہ دعویٰ واقعہ کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ ان کے علمی اور تہذیبی کردار سے وہی قدیم صلیبی ذہنیت اور اسلام دشمنی اور مغربیت کی برتری کے تصور کی جھلک نظر آتی ہے۔ ایسا ہی رویہ مسلمانوں کے ساتھ ملکی میڈیا کا بھی ہے اگرچہ اس کا تعلق صلیبی ذہنیت سے نہیں بلکہ سیاسی و سماجی اقدار سے ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور ان کے مابین انتشار پیدا کرنے کی جتنی بھی ترکیبیں ہو سکتی ہیں، وہ مغربی اور دینی میڈیا استعمال کرتا ہے اور حقیقت واقعہ کو اس طرح سے توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے جس سے عوام بلکہ اسلامی ذہن رکھنے والے افراد بھی بلا چوں چرا سے تسلیم کر لیتے ہیں اور بلا اختیار سر ہلاتے ہوئے ان کی زبان سے یہ جملہ نکل جاتا ہے کہ ”ایسا ہی ہوگا“۔ ایسی صورت میں اسلام اور مسلمانوں سے بدظن ہونے میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟ درج ذیل واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ میڈیا مسلمانوں کو کس نظر سے دیکھتا ہے:

”نیویارک ٹائمز“ نے ایسے ازتالیس مقامات کی نشان دہی کی جن میں ۱۹۹۳ء میں انسٹنٹیلی تصادم ہوئے اور یہ بتایا کہ ان میں سے آدھے تصادم وہ ہیں جو مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ساتھ کیے۔ (۱) یعنی مسلمانوں پر جو مظالم ہوئے، وہ بھی مسلمانوں ہی کے نامہ اعمال میں شمار کیے گئے۔ اسی طرح کچھ عرصہ قبل کی بات ہے کہ ایک رات نیلی

وژن پر اسلامی حکومت یمن کے حالات، وہاں کی مساجد، طرز تعلیم، نماز و دیگر عبادات اسلامی کے طریقے دکھائے جا رہے تھے۔ ٹیلی وژن سرزمین یمن کے باشندوں کی محرومیت کا تفصیل سے ذکر کرتے کرتے اسلام کی طرف متوجہ ہوا اور بڑی چالاکی سے اسلام پر رقیق حملے شروع کر دیے کہ اس ملک کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑا روضہ اسلام ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کے قافلہ تمدن کو دو سو سال پیچھے کر دیا۔ ابتدائی مراحل میں توقف، عقب نشینی یہ اسلام کا پروگرام ہے۔ آج کی دنیا میں پیدا ہونے والے مختلف انقلابات سے محرومی اسلام کی پیروی اور اس کے دستور کی پابندی کی وجہ سے ہے۔ (۲) ابھی چند دن قبل کی بات ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک طالب علم کو پولیس نے راستے میں اٹھایا اور اس پر وہ تمام الزامات لگائے جو حال میں قرب و جوار میں بم بلاسٹ ہوئے جس کو ملکی میڈیا نے خوب اچھا لالا اور بڑھا چڑھا کر بیان کیا یہاں تک کہ یونیورسٹی کو دہشت گردی کا سب سے بڑا اڈہ قرار دیا۔ ایک سرکاری افسر نے اپنے تحریری بیان میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ بین نامی طالب علم بے گناہ ہے، ایک سوچھی سمجھی پالیسی کے تحت طالب علم کو گرفتار کیا گیا ہے اور اس طرح یونیورسٹی کو بدنام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ سرکاری افسر نے ان تمام ارکان کے اوپر سے نیچے تک نام گنوائے ہیں جو یہ سازش کر رہے ہیں۔ مگر میڈیا اس تمام تحریری بیان کو ضم کر گیا۔

بی بی سی ورلڈ سروس واحد نشریاتی ادارہ ہے جو ۲۴ گھنٹے مختلف زبانوں اور موضوعات پر خبریں اور معلوماتی پروگرام نشر کرتا رہتا ہے۔ شائقین قبل از وقت ہاتھ میں ریڈیو لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور اس کی گوشمالی کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک اس کی کان لال نہ ہو جائے کیونکہ وہاں سے نشر ہونے والی زیادہ تر چیزیں مبنی بر حقائق ہوتی ہیں۔ مگر وہ بھی جب اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے گفتگو کرتا ہے تو غیر منصفانہ رویہ اختیار کرتا ہے اور جہاں کہیں بھی کوئی واقعی یا محض خیالی کوئی ایسی بات نظر آتی ہے جس پر اعتراض کیا جاسکے، وہاں ان کے دل میں بدعتی کی پر مسرت گدگدی ہونے لگتی ہے۔

قرآن و سنت، تاریخ اسلامی اور مسلمانوں کو ہدف بنا کر بے سرو پا الزام عائد کیے جاتے ہیں۔ اسی دوران دوسرے سماج میں عورتوں اور نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد پر کتنا ہی ظلم ہو، وہ نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یورپ، امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں کھلے عام عورتوں کی عصمت دری کی جاتی ہے اور ہزاروں ناقابل رحم واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ بھارت میں ہر روز تین دلت عورتوں کی روزانہ عصمت دری کی جاتی ہے۔ اس پر کسی میڈیا کی انگلی نہیں اٹھتی۔ مگر جہاں کہیں مسلمان زوجین اور مسلم معاشرہ میں کوئی ناخوشگوار کی باتیں پیش آ جاتی ہیں تو میڈیا لے اڑتا ہے اور غیر اسلامی انکار کے حامل اہل قلم حضرات اس پر اپنی قلمی توانیاں صرف کرنے لگتے ہیں اور بغیر کسی

رعایت اور پاسداری کے مسلمانوں کے مقدمات پر ان کے قلموں کی نوک کھل جاتی ہے۔ مشرق و مغرب کی ساری زیادتیاں خوبیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، عورتوں کے استحصال کے واقعات اور زوجین کی کشمکش کی داستانیں خیالی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اس طرح کے جارحانہ و یک طرفہ معاندانہ اقدامات سے مسلمانوں کے جذبات کو پکلا جاتا ہے۔ اگر مسلمان ان کے خلاف آواز بلند اور جہد و جہد کرتے ہیں تو ان پر سختی کی جاتی ہے اور انہیں دہشت گرد کے القاب سے نوازا جاتا ہے، یہاں تک کہ ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جاتا ہے اور طرح طرح کی دردناک سزائیں تجویز کی جاتی ہیں۔ ان کی آزائی رائے پر قدغن لگایا جاتا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ مغربی میڈیا اور مغربی حکومتیں اپنی تابع دار حکومتوں کو مشورہ دیتی ہیں کہ مسلم عوام کو سختی سے کچل دیا جائے۔

جب کوئی بے ضمیمہ شخص اپنی شہرت یا مادی مفاد کی بنا پر کوئی ایسی بات کہتا ہے جو دشمنان اسلام کے فکر و خیال سے ہم آہنگ ہوتی ہے تو اسے غیر معمولی اہمیت دی جاتی ہے۔ (اس کی بہترین مثال سلمان رشدی کی کتاب شیطانی آیات ہے) اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو خاموش رہنے بلکہ اس کے پر امنہ خیالات کو قبول کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اس کے خیالات کو اکتشافات کا درجہ دے کر ان کی عالمگیر تشہیر کی جاتی ہے اور اس کو دنیا کا اکتا بڑا ہیرو قرار دیا جاتا ہے کہ اس کے آگے عالمی فٹ بال اور کرکٹ کپ کا ہیرو بے وزن معلوم ہونے لگتا ہے۔ ذرائع ابلاغ کے دروازے ان کی حفاظت اور دفاع کے لیے کھل جاتے ہیں۔ (۳)

مشہور امریکی نقاد ایڈورڈ ڈی بلسا اپنی کتاب ”ذرائع ابلاغ اور اسلام“ میں مغربی میڈیا کے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ معاندانہ رویہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

”آج کل امریکہ اور یورپ میں عام لوگوں کے لیے اسلام کا مطلب ایسی چیزیں ہیں جو خاص طور پر ناگوار خاطر ہیں۔ ذرائع ابلاغ، کوئٹس اور دانش ور سب اس پر متفق ہیں کہ اسلام مغربی تمدن کے لیے خطرہ ہے۔ اسلام کی منفی باتیں دوسری باتوں کے مقابلے میں زیادہ رائج ہیں۔ اس لیے نہیں کہ اسلام سے ان کا کوئی واسطہ ہے بلکہ اس لیے کہ سوسائٹی کا ایک مقتدر طبقہ ان کو ایسا ہی گردانتا ہے۔ یہ طبقہ بڑا بااثر ہے اور اس نے اسلام کے اس منفی تصور کو پھیلانے کا ارادہ کر رکھا ہے۔“ (۴)

”میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ امریکہ میں نیلی وٹن پر مقبول ترین اوقات میں شاید ہی کوئی پروگرام ہو جس میں نسلی عداوت شامل نہ ہو اور جہاں مسلمانوں کا مذاق نہ اڑایا گیا ہو اور جہاں مسلمانوں کو ”بزک“ کا نام دے کر برا بھلا نہ کہا گیا ہو۔ اسلام کے مقابلے میں امریکہ کی رائے عام یہ ہے کہ جو چیزیں انہیں ناپسند ہیں، وہ اسلامی ہیں۔“ (۵)

ذرائع ابلاغ کی تباہ کاریاں

مغربی ذرائع ابلاغ نے انسانی دنیا کو کیا دیا، کیا سکھایا اور کن امور کے بجالانے پر زور دیا؟ اس کی گہرائی میں ہم پہنچتے ہیں اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ کے حوالے سے دنیا کو جو کچھ ملا، ان میں سب سے زیادہ نقصان دہ چیز بے حیائی، عریانیت اور فحاشی ہے جس کے تباہ کن اثرات سے پوری دنیا دوچار ہے، یہاں تک کہ مغرب کو بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔

اسٹار، زی، سونی اور دیگر ٹی وی چینل ۲۴ گھنٹے دن باندھ کر پیش کرتے رہتے ہیں۔ ان کی ایجاد نے ہر گھر کو وہ سینما ہال بنا دیا ہے جہاں زیادہ تر گندمی اور عریاں فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ اس کے دیکھنے میں بڑے اور بچے، مرد اور عورتیں، یہاں تک کہ باپ بیٹی، بھائی بہن سب برابر کے شریک اور ایک ساتھ بیٹھ کر مزے لے لے کر دیکھتے ہیں جس کے گندے مناظر سے روح کانپ جاتی ہے۔ خوبصورت عورت کو منظر عام پر لا کر دعوت نگارہ دی جاتی ہے۔ اشتہار کے نام پر بڑی بے ہودگی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ سیریل ایسے کہ عشق کی داستان اور تشدد کے واقعات سے اخلاقی حس مردہ ہو جائے۔ غرض کہ اخلاق سوز اور بجرمانہ ذہنیت پیدا کرنے والی چیزیں پیش کر کے بڑے پیمانے پر بگاڑ کا سامان کیا جاتا ہے۔ اس طرح سے ٹی وی، ریڈیو کانوں اور آنکھوں دونوں کے لیے لذت کا سامان بن گیا ہے۔ شوق کا یہ عالم کہ گھر میں بیوی سے پہلے ٹی وی آ جاتا ہے۔ مغرب کی بات تو چھوڑ دیجیے کیونکہ وہ اخلاقی جذام میں مبتلا ہے۔ اس وقت مسلم معاشرہ اور اسلامی مملکتیں بھی اس بیماری کا پوری طرح شکار ہو گئی ہیں اور بڑی تیزی کے ساتھ وہاں یہ وبا پھیل رہی ہے جس کی بنا پر نوجوانوں پر اس کے تباہ کن اثرات مرتب ہو رہے ہیں جو محتاج بیان نہیں۔ کیا اس برائی کے ذمہ دار ہم خود نہیں ہیں؟ کم از کم مسلمانوں کو اس بات کی آزادی حاصل ہے کہ وہ ایسے گندے وسائل کو اپنے گھروں اور معاشرے میں داخل نہ ہونے دیں۔ اگر مسلمانوں کو اپنا تشخص برقرار رکھنا ہے تو چاہئے کہ وہ مغرب کی تقلید کا ترک کر دیں۔

تفریح کے لیے ہم سرحد پار کی اخلاق دشمن فلموں، گانوں اور عریاں ویڈیو پروگراموں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں اور خود ہمارائی وی احساس کمتری کا شکار ہونے کے سبب سرحد پار کے پروگراموں کی نقل کو اپنی فن کاری سمجھتا ہے۔ اس صورت حال میں ایک حل تو یہ ہے کہ اگر آپ کے گھر میں ٹی وی یا ویڈیو ہے تو آپ دونوں کو زمین میں دفن کر دیں اور خود کو یہ سمجھالیں کہ آپ نے میڈیا کے شیطان کے خلاف جہاد کا ثبوت پیش کر دیا ہے۔ لیکن ایسا کرنے اور جو آپ کے پڑوس میں ڈش پر وہ سب کچھ آتا رہے گا جس سے بچنے کے لیے آپ نے اپنا ٹی وی اور ریڈیو

زمین میں دفن کیا ہے اور خود آپ کے اپنے بچے اور پڑوس کے بچے شیطانی میڈیا سے متاثر ہوتے رہیں گے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ فنی کمال کے ساتھ متبادل پروگرام بنائیں جس میں ذرا سے بھی ہوں، نفعی بھی ہوں، دستاویزی پروگرام بھی ہوں، گویا تعلیم و تفریح اور معلومات کو تعمیری اور اخلاقی نقطہ نظر سے ٹی وی اور ریڈیو پر نشر کیا جائے، اور ایسا کرنا مسلمانوں کے لیے ناممکن نہیں ہے۔ یہ وہ طریقہ وہ ہوگا جسے قرآن کریم نے یوں کہا ہے کہ ”بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں“ (۶)

جنسی بے راہ روی کی تباہ کاریاں

عفت و پاک دامنی کسی بھی قوم اور معاشرے کا طرہ امتیاز ہے۔ ہر شخص کا اس بات پر یقین ہے کہ عصمت ایک انمول موتی ہے جسے کبھی ضائع نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دفعتاً اس حقیقت کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ یا پھر آزادی نسواں کے علم بردار کارل مارکس اور انجیلز (۷) جیسے گمراہ کرنے والے انسانی درندے اسے رفتہ رفتہ شتم کر دیتے ہیں۔ اس دور میں عفت و پاک دامنی اپنی قدر و قیمت کھو چکی ہے۔ ہر جگہ اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ بالخصوص مغرب اس حریم سے بہت زیادہ تجاوز کر گیا ہے۔ ان میں سے اکثر اس نظریہ کے حامی ہو گئے ہیں کہ عورت اور مرد آخر حیوان ہی تو ہیں۔ کیا حیوانوں کے جوڑوں میں نکاح اور وہ بھی دائمی نکاح کا کوئی سوال پیدا ہو سکتا ہے؟ (۸) سڑکیں رنڈیوں سے خالی دکھائی دینے لگیں، اس خوف سے نہیں کہ پولیس کے ڈنڈے سے دوچار ہونا پڑے گا بلکہ آزاد خیال بے پردہ گھومنے والی لڑکیوں نے ان کے بازار کو شہنشاہ کر دیا ہے۔ نثریاتی نظام ہر ملک کا ترجمان ہوتا ہے لیکن جب یورپ میں ایک ستم رسیدہ خاتون اپنے شوہر کی زیادتیوں سے تنگ آ کر وہاں سے حل تلاش کرنے کے لیے مشورہ طلب کرتی ہے تو اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ ۲۸ سال سے قبل تم ایک یا کئی مردوں سے تعلقات قائم کر سکتی ہو۔ کیا اس طرح کے مشورے سے پریشانیوں کا حل نکل سکتا ہے؟

یوں تو عریانیت کے پھیلنے اور زنا کاری کے عام ہونے کی بہت ساری وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ان سب کا احصا طوالت سے خالی نہیں۔ مگر ان میں گندے فونو گراف، مخلوط تعلیم، فلم، تھیٹر اور ٹی وی کا اہم رول ہے۔ تعلیمی مراکز جہاں انسانیت کی ذہن سازی کی جاتی ہے، وہیں اس قسم کے جرائم روز افزوں ہیں اور اس کام کے لیے مستقل ٹریننگ دی جاتی ہے۔ اس قسم کی تعلیم گاہوں، کالجوں، فرموں کے ٹریننگ اسکول اور مذہبی مدرسوں میں ہمیشہ اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جن میں ایک ہی صنف کے دو افراد آپس میں شہوانی تعلق رکھتے ہیں۔ (۹) اور جہاں مخلوط تعلیم کا انتظام ہے، وہاں اشتعال اور تسکین قلب دونوں کے اسباب موجود ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ مغربی

ممالک کے اسکولوں اور دفاتر کے ہاتھ روز میں مانع حمل آلات پہلے سے موجود ہوتے ہیں تاکہ تعلیم حاصل کرتے وقت یا کام کرنے کے دوران جنسی جذبات پیدا ہو جائیں تو خواتین و حضرات اور طلبہ و طالبات محفوظ طریقے سے اپنی سفلی خواہشات کی تکمیل کر سکیں۔

جج بن لنڈ سے (Ben Lindsey) جنہیں ذنور کی عدالت جرائم اطفال (Juvenile Court) کے صدر ہونے کا اعزاز حاصل ہے، انہیں امریکہ کے نوجوانوں کے اخلاقی حالات سے واقف ہونے کا بہت زیادہ موقع ملا۔ انہوں نے اپنی کتاب Revolt of Modern Youth (نوجوان نسل کی بغاوت) میں ایسی بہت ساری چیزوں کا ذکر کیا ہے جس سے مغربی نوجوانوں کے اندر سے اخلاقی حس مردہ ہو جانے کا ثبوت ملتا ہے۔

امریکہ میں بچے قبل از وقت بالغ ہونے لگے ہیں اور بہت کچی عمر میں ان کے اندر منفی احساسات پیدا ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے نمونہ کے طور پر ۳۱۲ لڑکیوں کے حالات کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ان میں ۲۵۵ ایسی تھیں جو گیارہ اور تیرہ برس کے درمیان میں بالغ ہو چکی تھیں اور ان کے اندر ایسی منفی خواہشات اور ایسے جسمانی مطالبات کے آثار پائے جاتے تھے جو ایک ۱۸ برس اور اس سے بھی زیادہ عمر کی لڑکیوں میں ہونے چاہئیں۔ (۱۰) وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہائی اسکول کی کم عمر لڑکیاں جنہوں نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے صنفی تعلقات کا تجربہ ہو چکا ہے، ان میں صرف ۲۵ ایسی تھیں جن کو صل نظر گیا تھا۔ باقی میں سے بعض تو اتفاقاً بچ گئی تھیں لیکن اکثر منع حمل کی موثر تدابیر کا کافی علم تھا۔ یہ واقفیت ان میں اتنی عام ہو چکی ہے کہ لوگوں کو اس کا صحیح اندازہ نہیں۔ (۱۱) اس کے بعد فاضل مصنف لڑکے اور لڑکیوں کے مابین جنسی خواہشات کا تقابل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہائی اسکول کا لڑکا بمقابلہ ہائی اسکول کی لڑکی کے جذبات کی شدت میں بہت پیچھے ہے۔ عموماً لڑکی ہی کسی نہ کسی طرح پیش قدمی کرتی ہے اور لڑکا اس کے اشاروں پر ناپتا ہے۔ (۱۲)

۱۹۹۳ء میں امریکی حکومت کے ایک سروے کے مطابق امریکہ میں ایک سال کے اندر ۱۳ لاکھ بارہ ہزار شادیاں قانونی طور پر منقطع ہوئیں۔ ۳۳ ماہ بعد ہی ان میں سے ۲ لاکھ ۹۲ ہزار کا انجام طلاق پر ہوا۔ تقریباً ۷۵ فی صد شادی شدہ مرد اور خواتین اپنے شریک حیات کے ساتھ بے وفائی کے مرتکب ہوتے ہیں جو ان شادیوں کی ناکامی کی بنیادی وجہ ہے۔ امریکہ کی آبادی میں تقریباً دو کروڑ افراد ہم جنس پرستی کی لعنت میں مبتلا ہیں۔ ۱۶ برس سے لے کر ۱۹ برس تک کی لڑکیاں جنسی حملوں کا نشانہ بنتی ہیں جن میں اکثر اپنے انتہائی قریبی رشتہ داروں یعنی باپ، بھائی وغیرہ کی ہوس کا شکار بنتی ہیں۔ امریکی ہفت روزہ انکوآرز کی ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۹ء میں تقریباً ۹۱ لاکھ خواتین کی عصمتیں

لوئی گئیں جبکہ ان وارداتوں کے ۶۰ فی صد ملزمان گرفتار بھی نہ ہو سکے۔ (۱۳) روز نامہ جنگ کی اطلاع کے مطابق ہر ۲۷ ویں سیکنڈ میں ایک کم عمر لڑکی ماں بن جاتی ہے۔ ہر ۳۷ ویں سیکنڈ میں ایک بچی کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے۔ (۱۴) مسز بل کنٹن نے ۱۹۹۵ء میں اسلام آباد میں ایک کالج کی طالبات سے گفتگو کے دوران بڑی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ کی نوجوان لڑکیوں کا سب سے بڑا مسئلہ قانونی طور پر منعقد شادی سے قبل ہی ماں بن جانا ہے۔

(۱۵)

امریکہ کے علاوہ دیگر مغربی ممالک کا بھی یہی حال ہے۔ مثلاً برطانیہ میں دس فیصد خاندان بغیر باپ کے پائے جاتے ہیں۔ ۷۰ فی صد لڑکے اور لڑکیاں ایسے ہیں جن کو ان کے محبوب یا منگیتیر نے موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ یہاں میاں بیوی کے تعلقات کچے دھاگوں میں بندھے ہوتے ہیں جو ذرا سی بات پر طلاق پر منتج ہوتے ہیں۔

آکسفورڈ یونیورسٹی کے ۶۷ فی صد طلبہ و طالبات شادی کے بغیر جنسی تعلقات قائم کرنے کے حق میں ہیں۔ ۲۳ فی صد طالبات نے تسلیم کیا ہے کہ وہ یہاں آنے کے بعد کنواری نہیں رہیں اور اب بھی ان کے باقاعدہ جنسی تعلقات ہیں۔ ۲۵ فی صد طالبات مانع حمل گولیاں استعمال کرتی ہیں۔ ۲۱ فی صد طلبہ و طالبات فحش و عریاں جرائد خریدتے ہیں۔ ۳۸ فی صد طلبہ و طالبات ہم جنسی کے قائل ہیں۔ (۱۶)

ایک جامعہ کی سروے رپورٹ کے مطابق آسٹریلیا میں ۶ ہزار سے زائد بچے جن کی عمر ۱۸ برس سے کم ہے، اپنے علاج، خوراک، رہائش، شراب اور سگریٹ کے حصول کے لیے اپنا جسم فروخت کرتے ہیں جبکہ وہاں کی حکومت ان کو اس حالت زار سے نکلانے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ (۱۷)

ایک امریکی جریدہ مغربی ممالک میں اخلاقی حس کے مردہ ہو جانے اور بے حیائی و زنا کاری کے عام ہونے کی وجوہات پر ماتم کرتے ہوئے لکھتا ہے

”تمن شیطانی قوتیں ہیں جن کی تثلیث آج ہماری دنیا پر چھا گئی ہے اور یہ تینوں ایک جنم تیار کرنے میں مشغول ہیں۔

فحش لٹریچر جو جنگ عظیم کے بعد سے حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اپنی بے شرمی اور کثرت اشاعت میں بڑھتا جا رہا ہے۔

متحرک تصویریں جو شہوانی محبت کے جذبات کو نہ صرف بھڑکاتی ہیں بلکہ عملی سبق دیتی ہیں۔ عورتوں کا گرا ہوا اخلاقی

معیار جو ان کے لباس اور بسا اوقات ان کی بڑھتی اور سگریٹ کے روز افزوں استعمال اور مردوں کے ساتھ ان کے ہر قید

و امتیاز سے نا آشنا اشتعال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تین چیزیں ہمارے یہاں بڑھتی جا رہی ہیں اور ان کا نتیجہ مسیحی

تہذیب و معاشرت کا زوال اور آخر کار زنا جاتی ہے۔“ (۱۸)

اسی اخلاقی بگاڑ کو دیکھ کر سیوا سماجی رہنما پاول کہتا ہے: اگر یورپ صرف زنا سے بچ جائے تو اس کے سارے مسائل میں حل کر دوں گا۔ اس سلسلے میں یورپ کے عوام اقدام بھی کر رہے ہیں کہ کسی طرح اس اخلاقی بگاڑ کا سدباب ہو سکے مگر اب تک خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہو سکے۔ مثلاً فرانس کی راج دھانی پیرس کے دی پوائنٹ نے ایک سروے کیا تھا جس کی رو سے ۶۸ فی صد شہریوں نے امریکی کلچر کے بڑھتے ہوئے اثرات پر تشویش ظاہر کی تھی اور اسے روکنے کی ضرورت پر زور دیا تھا۔ چائنا نے جو امریکہ کی نگاہ میں اسلام کے بعد دوسرا بڑا دشمن ہے، ۱۹۹۷ء میں اپنے مشرقی صوبہ گوانگ ڈونگ میں مغربی فحاشی کے خلاف بڑے پیمانے پر مہم چلائی۔ بیس ہزار فحش رسائل اور ۵۶ ہزار گندے کیسٹ ضبط کیے۔ (۱۹)

بے حیائی کی یہ دنیا ہے جہاں کسی کی عزت محفوظ نہیں اور مغرب سے بے حیائی کی ہو جب چلتی ہے تو سیدھے اسلامی معاشرہ پر آ کر ٹھہرتی ہے۔ ان کے اصول زندگی اور عادات و اطوار کو قبول کر لینا مسلم معاشرہ میں امتیاز سمجھا جاتا ہے۔ عموماً لڑکیوں کی آخری خواہش اور کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ فلم، تھیمز اور فلم کی زندگی اختیار کر لیں۔ اس امنگ کی تکمیل کے لیے وہ ہر قربانی دینے کو تیار رہتی ہیں۔ ان کی ایک خاص تعداد اپنے آپ کو فلم پروڈیوسرز اور ڈائریکٹروں کی ہوس رانیوں کے حوالے کر کے بے نیل مرام ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ ابتدائی مرحلہ ہے۔ اس کے بعد وہ کیا کچھ نہیں کرتیں، آپ سوچ سکتے ہیں۔ جبکہ قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ فلا تحضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا (الاحزاب ۳۲) (زہری سے بات نہ کرو، کہیں وہ لوگ کسی توقع میں مبتلا نہ ہو جائیں جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ بھلے طریقے سے بات کیا کر دو) کیا اسلام اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ لڑکیاں بیٹکوں کی کلرک، فضائی میزبان، ریسٹوران میں خدمت گار، مغنیات، رقاصائیں، فلم، ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر اداکار بنی ہوئی نظر آئیں؟ ہرگز نہیں۔

لڑکیوں کے سر سے پردہ غائب ہوئے عرصہ ہو گیا۔ اگر کسی کے سر پر دوپٹہ نظر آتا ہے تو بس گلے کی ٹائی کی حد تک۔ جسم پر کپڑے اتنے باریک اور چست ہوتے ہیں کہ جیسے کسی نے تھرمائیٹ میٹر کر دیا ہو جو جسم کے ہر ظاہری و غلظی حصے کی حرکات و سکنات کا پتہ دیتا ہو۔ یہ اس لیے ہو رہا ہے کہ مغربی ڈرامے کا سین ہمارے سامنے ہے۔ نئے کلچر کے نام پر وحشت کی ہوائیں چل رہی ہیں۔ گھروں کے خیمے اکھڑ رہے ہیں، بازاروں کی رونق بڑھ رہی ہے، پارک آباد ہو رہے ہیں، ہوٹل گھر بن رہے ہیں۔ اکبر کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہو رہی ہے۔ اپ ٹو ڈیٹ اور ماڈرن شرفا کی عمریں ترقی یافتہ ممالک اور ہونٹوں میں گنت رہی ہیں۔ وہ مرتے ہیں ہسپتالوں کے بستروں پر، دریا کے کنارے صحت

افزاجھوپیزویوں میں اور ریٹ کے بستروں پر بحجرت موہیں مار رہا ہے اور ساحلوں سے انسانیت کے بکھرے ہوئے اور بچے ہوئے خس و خاشاک بہائے لیے جا رہا ہے۔ یہ صرف آزادی نسواں کا کرشمہ ہے۔ اب Women's Empowerment کا بانڈ رو جن، ہم پھٹے گا تو انسانیت کے ذرات فضاؤں میں اڑیں گے جیسا کہ مغربی تہذیب کے تنکے مشرق کے سمعی و بصری ذرائع (Audio Visual Media) پر ٹیلی ویژن اور بھیا تک وی بی آر کے ہاتھوں گھر گھر میں اڑ رہے ہیں اور گویا پورا گھر خواب گاہ (Bed Room) بنا ہوا ہے۔ (۲۰)

اجتماع و معاشرت اور سوشل زندگی میں مغربی طریقوں کی پیروی اور ان کے اصول زندگی اور طرز معاشرت کو قبول کر لینا اسلامی معاشرے میں بڑے دور رس نتائج رکھتا ہے۔ اس وقت مغرب ایک اخلاقی جذام میں مبتلا ہے جس سے اس کا جسم برابر کتنا اور جلتا چلا جا رہا ہے اور اب اس کا تعفن پورے ماحول میں پھیل چکا ہے۔ اس مرض جذام کا سبب اس کی جنسی بے راہ روی اور اخلاقی اتاری کی ہے جو بیہیت و حیوانیت کے حدود تک پہنچ گئی ہے۔ لیکن اس کیفیت کا بھی حقیقی اور اولین سبب عورتوں کی حد سے بڑھی ہوئی آزادی، مکمل بے پردگی، مردوزن کا غیر محدود اختلاط اور شاب نوشی ہے۔ کسی اسلامی ملک میں اگر عورتوں کو ویسی ہی آزادی دی گئی، پردہ یکسر اٹھایا گیا، دونوں صنفوں کے اختلاط کے آزادانہ مواقع فراہم کیے گئے، مخلوط تعلیم جاری کی گئی تو اس کا نتیجہ اخلاقی انتشار اور جنسی اتاری کی، سول میرج، تمام اخلاقی و دینی حدود و اصول سے بغاوت اور بالآخر اس اخلاقی جذام کے سوا کچھ نہیں جو مغرب کو ٹھیک انہی اسباب کی بنا پر لاحق ہو چکا ہے۔ ان اسلامی ملکوں میں جہاں مغربی تہذیب کی پر جوش نقل کی جا رہی ہے اور جہاں پردہ بالکل اٹھ گیا ہے اور مردوزن کے اختلاط کے آزادانہ مواقع حاصل ہیں، پھر صحافت، سینما، ٹیلی ویژن، لٹریچر اور حکمران طبقہ کی زندگی اس کی ہمت افزائی بلکہ رہنمائی کر رہی ہے، وہاں اس جذام کے آثار و علامات پوری طرح ظاہر ہونے لگے ہیں اور یہ قانون قدرت ہے جس سے کہیں مفر نہیں۔ (۲۱)

جس معاشرے میں اخلاقی اور سماجی برائیاں ہوں گی، وہ خواہ کتنا ہی دولت مند اور بااثر ہو، اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے۔ اس میں پائیداری نہیں ہوتی کیونکہ معاشرتی اصول ناپید ہوتے ہیں۔ آج کل کے مغربی معاشرے اور سوسائٹی میں اخلاقی اقدار کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے اور معاشرتی و سماجی اصول جو روندے جا رہے ہیں، اس کی وجہ سے اس قوم کا اخلاق بہت بگڑ چکا ہے۔ اسلام نے چند بنیادی اصول مقرر کر دیے ہیں جن کے اندر رہ کر معاشرہ ترقی پذیر ہو سکتا ہے۔ ان سے باہر لگانا اخلاق و انسانیت کی موت کے مترادف ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، زنا کار مرد اور زنا کار عورتوں کے لیے پتھر ہے۔ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو، تمہارے حق عورتوں پر ہے اور عورتوں کے تم پر۔ اور

ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو کیونکہ وہ بھی تمہاری طرح خدا کی بندیاں ہیں۔ لڑکا اس کا جس کے بستر پر پیدا ہو۔ جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے نسبت کرے، اس پر خدا اور رسول اور فرشتوں کی لعنت ہے۔

مغربی علوم و فنون اور مسلمان

صلیبی جنگوں میں شکست کھانے کے بعد انگریزوں نے اسلامی مصادر کی جڑوں کو متزلزل کرنے کا منصوبہ بنایا اور مسلمانوں کو دین حنیف سے گمراہ کرنے کی بڑے پیمانے پر سازش کی۔ حصول تعلیم کے سلسلے میں ضرورت سے زیادہ سہولت فراہم کر کے مسلم طلبہ کو غلط کیریئرز اور غیر اسلامی افکار کے حامل بنانے پر زور دیا۔ چنانچہ جو مسلم طلبہ انگریزی جامعات سے تعلیم حاصل کر کے نکلے، ان کے اندر ایمانی بصیرت اور خوفِ آخرت کا فقدان ہوتا ہے۔ مغربی جامعات میں حصول تعلیم کے بعد جو طلبہ اپنے دین پر اسی طرح قائم رہے جیسا کہ اس دین کا تقاضا ہے تو ان کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب صورت حال ایسی ہو تو اس ترقی کے دور میں جہاں ہر جگہ مغربی طرزِ تعلیم اور سائنسی اکتشافات کا استقبال کیا جا رہا ہے، ہر جگہ اس کا جال پھیلا ہوا ہے، ہر میدان میں انہی علوم و فنون کو برتری حاصل ہے، اس کی سائنس نے اتنی ترقی کی ہے کہ گھنٹوں کے مشکل کام کو منٹوں میں آسان بنا دیا ہے۔ تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ ان علوم و فنون اور سہولیات سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانا چاہئے کہ نہیں؟ ایک صورت تو یہ ہے کہ مسلمان ابھی مغربی تعلیم و نظریات کو جوں کا توں قبول کر لے، اس صورت میں اس تعلیم کے جو نتائج اذہان و قلوب اور معاشرے پر منتج ہوں گے، وہ محتاج بیان نہیں۔ سابقہ بیان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مغربی طرزِ تعلیم اور سائنسی اکتشافات و ایجادات کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے۔ اس صورت میں مسلمان اپنے منصب پر قائم نہیں رہ سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے خیر امت کے نام سے خطاب کیا ہے اور پھر مسلمان ایسی صورت میں اپنی ضرورت کو حل کیسے کریں گے؟ جبکہ ہمارے دینی جامعات میں ان علوم و فنون کے حصول کا انتظام کالعدم ہے۔ وہاں جن علوم پر زور دیا جاتا ہے، معاصر زمانہ کے تحت ہمارے ضرورت کے حل کے لیے ناکافی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پیچیدگی کا حل مفتی محمد ظفر الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند کے اس بیان سے نکالا جا سکتا ہے۔

”اگر ہم اس دینیہ میں نئے اکتشافات اور جدید ایجادات کی تعلیم نہیں دی جاتی، اگر سائنس نہیں پڑھائی جاتی، یا سرمایہ کی کمی کی وجہ سے اس طرح کے دوسرے کام نہیں ہو سکتے تو اتنا تو ہو سکتا ہے کہ یہاں جو مضامین پڑھائے جاتے ہیں، ان

میں ہمارے نوجوان علما باکمال ہوں۔ اسی کے ساتھ مدارس کو جس حد تک حالات و زمانہ کے مطابق آگے لے جایا جا سکتا ہے، لے جانا چاہئے۔ نئے زمانہ کی اچھی چیزوں کو خوش آمدید کہنا اور اپنانا گناہ نہیں، کارثواب ہے۔ یہ مسلمانوں کی گم شدہ متاع ہے، جہاں بھی مل جائے لے لینی چاہئے۔ اس پر بدعت کا حکم لگا کر کنارہ کش ہونا دانش مندی نہیں۔ خوب یاد رکھا جائے اچھی چیزوں کو اپنانا ترک ہے، سرفہمیش۔“ (۲۲)

یہ ہماری بد نصیبی ہے کہ سائنسی علوم و فنون اور ایجادات کو مغربی اثنا عشریہ قرار دیتے ہیں جب کہ یہ مسلم دانش وروں اور سائنس دانوں کی میراث ہے جس سے مسلمانوں نے مدت العمر تک لاپرواہی برتی، خالی میدان دیکھ کر اہل مغرب آدھکے اور اسے اچک لیا اور مسلمانوں کو اپنا دست نگر بنا دیا۔ اگر ہم اسلام کے اصول پر قائم رہ کر حصول علم اور تحقیق کا فریضہ ادا کرتے تو آج ہمیں جدید علوم و فنون کے لیے یورپ کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہ پڑتی حالانکہ قرآن نے لعکم تعقلون، لعکم تفکرون، لعکم تشعرون کے الفاظ استعمال کر کے مسلمانوں کو سائنسی علوم کے حصول کی طرف ابھارا ہے، جیسا کہ علامہ اسد لکھتے ہیں

”تاریخ سے بلا کسی اشتباہ کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے سائنسی ترقی کو جتنا ابھارا ہے، اتنا کبھی کسی اور مذہب نے نہیں کیا۔ اسلامی دینیات سے علوم و فنون اور سائنسی تحقیق کی جو بہت افزائی ہوئی، اس کا نتیجہ بنو امیہ اور بنو عباس اور ہسپانیہ کی عرب حکومت کے دور کی شاندار تہذیبی ترقیوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔“ (۲۳)

دوسری شق کا جواب ہمیں حضور ﷺ کے اس حکم سے مل جاتا ہے کہ آپ نے کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ کی خاص مقصد کے تحت یہودیوں کی زبان سیکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ دینی جامعات میں بھی دیگر فنون کی طرح ایک شعبہ انگریزی زبان و ادب کی اقبام و تفہیم کے لیے قائم کر کے مسلم طلبہ کو انگریزی زبان و ادب کا ماہر بنایا جائے۔ اس طرح ضرورت کی تکمیل ہو سکتی ہے اور خیر امت کا فریضہ بھی انجام پا سکتا ہے۔ بقول سرسید

”مسلمانوں کی تعلیم کا طریقہ دو قسم کا ہونا چاہئے۔ ایک وہ جس کو مسلمان خود قائم کریں جس سے ان کے تمام دینی و دنیاوی مقاصد انجام پائیں۔ دوسرے وہ جس سے مسلمان ان اصول سے جو گورنمنٹ نے قائم کیے، فائدہ اٹھائیں“ (۲۴)

اب رہا مسئلہ عام اسکولوں کی تعلیم کا جو مسلمانوں کی نگرانی میں چلتے ہیں، جہاں دینیات کی تعلیم کا فقدان اور تربیت اسلامی کا معقول انتظام نہیں ہے اور سارا زور معاصر زمانہ علوم پر ہی دیا جاتا ہے تو یہ ہماری کمزوری ہے نہ کہ معاصر زمانہ تعلیم کی خرابی۔ اس سلسلے میں یہ حدیث پیش کرنے کے علاوہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یہودانہ وبنصرانہ ویمجسانہ (۲۵) (ہر بچہ خالص فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ اگر

کے والدین ہوتے ہیں جو اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں) اس حدیث کو ذہن میں رکھ کر انگریزی تعلیم کے فوائد و نقصانات سے متعلق مزید باتیں سوچی جاسکتی ہیں۔

حواشی

- (۱) اسلام اکیسویں صدی میں 'ص ۳۳
(۲) مغربی تمدن کی جھلک 'ص ۳۳
(۳) ماہنامہ 'الحق' اکوڑہ خٹک
(۴) ذرائع ابلاغ اور اسلام 'بحوالہ معرکہ اسلام اور جاہلیت' ص ۶۳
(۵) مولانا صدر الدین اسحاق 'ص ۲۰۳
(۶) ماہنامہ ترجمان القرآن 'لاہور' اگست ۲۰۰۰ 'ص ۶۸
(۷) اسلام ایک نظریہ ایک تحریک 'مریم جمیلہ۔ مترجم آما شاہ پوری' ص ۳۰
(۸) پرورد سید ابوالاعلیٰ مودودی 'ص ۴۷
(۹) سنت نبوی اور جدید سائنس 'حکیم طارق محمود چغتائی' ج ۱ ص ۲۳۹
(۱۰) ماہنامہ ارمغان دعوت اسلام نمبر جنوری فروری مارچ ۱۹۹۸ء 'ص ۱۱۹
(۱۱) پرورد سید مودودی
(۱۲) سنت نبوی اور جدید سائنس 'ج ۱' ص ۳۰۱
(۱۳) گفت روزہ اکا نو مست' اکتوبر ۱۹۹۳ء 'بحوالہ ترجمان القرآن' ص ۲۰۰
(۱۴) روزنامہ جنگ لندن '۲۸ اپریل ۱۹۸۷ء۔ بحوالہ سنت نبوی اور جدید سائنس' ج ۲ ص ۶۵
(۱۵) ایضاً '۲۵ مارچ ۱۹۹۵ء' بحوالہ ترجمان القرآن 'لاہور' ص ۲۰۰۰
(۱۶) ایضاً '۵ مارچ ۱۹۹۰ء' بحوالہ سنت نبوی اور جدید سائنس' ج ۲ ص ۶۳
(۱۷) روزنامہ نوائے وقت '۳ جنوری ۲۰۰۰ء
(۱۸) پرورد سید مودودی
(۱۹) اسلام اکیسویں صدی میں 'ص ۳۷-۳۸
(۲۰) ترجمان القرآن 'اپریل ۲۰۰۰ء' ص ۳۹
(۲۱) مسلم ممالک میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش 'ابوالحسن علی ندوی' ص ۲۳۹
(۲۲) ماہنامہ ارمغان دعوت اسلام نمبر جنوری فروری مارچ ۱۹۹۸ء 'ص ۱۱۹
(۲۳) اسلام دورا ہے پر 'ص ۶۳
(۲۴) حیات جاوید' الطاف حسین حالی
(۲۵) بخاری شریف 'باب ما قبل فی اولاد المسلمین' ص ۱۸۵ 'کتب خانہ رشیدیہ دہلی
(۲۶) ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، انڈیا)

پاکستان شریعت کونسل کے راہ نماؤں کا دورہ قندھار

پاکستان شریعت کونسل کے امیر حضرت مولانا فداء الرحمن درخوasti اور سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی نے عید الاضحیٰ کے بعد مولانا رشید احمد درخوasti کے ہمراہ قندھار کا تین روزہ دورہ کیا اور امیر المؤمنین ملا محمد عمر حفظہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر کے انہیں نفاذ اسلام کے اقدامات اور بت عکسی پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے امارت اسلامی افغانستان کی طالبان حکومت کے ساتھ مکمل یک جہتی کا اظہار کیا۔ اس موقع پر مولانا فداء الرحمن درخوasti نے جامعہ انوار القرآن آدم ٹاؤن کراچی اور پاکستان شریعت کونسل کی طرف سے ایک لاکھ بیس ہزار روپے کا عطیہ بھی طالبان حکومت کی امداد کے لیے پیش کیا۔ پاکستان شریعت کونسل کے راہ نماؤں نے افغانستان کے قاضی القضاة مولوی نور محمد ثاقب اور قندھار کے کور کمانڈر ملا اختر محمد عثمانی سے ملاقات کی اور ان سے افغانستان کی تازہ ترین صورت حال پر تبادلہ خیالات کیا۔ کراچی میں امارت اسلامی افغانستان کے توصل جنرل ملا رحمت اللہ کا کا زادہ قندھار سے واپسی پر ان کے رفیق سفر تھے اور ان سے افغانستان پر اقوام متحدہ کی طرف سے عائد کی جانے والی پابندیوں کے اثرات اور طالبان حکومت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون کے امکانات پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ پاکستان شریعت کونسل کے امیر حضرت مولانا فداء الرحمن درخوasti نے اس موقع پر کہا کہ افغانستان پر اقوام متحدہ کی پابندیاں سراسر ظالمانہ اور جانبدارانہ ہیں جن کے خلاف تمام مسلم ممالک کو صدائے احتجاج بلند کرنی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ ملی غیرت کا تقاضا ہے کہ تمام مسلم حکومتیں طالبان حکومت کو تسلیم کر کے اقوام متحدہ کی پابندیوں کو مسترد کریں اور افغانستان کی تعمیر نو کے لیے اس سے بھرپور تعاون کریں۔ انہوں نے کہا کہ بے جان مجسموں کو مسما کر کرنے پر دنیا بھر کے واہلایا سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ آج کے عالمی نظام اور بین الاقوامی رائے عامہ کو زندہ انسانوں اور ان کی مشکلات و تکالیف سے کوئی دل چسپی نہیں ہے اور بے جان بتوں کو پوجانے کے لیے سب لوگ جیج پکار کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ طالبان حکومت کے اس اقدام نے عالمی برادری کے متناقضہ طرز عمل اور ورلڈ سسٹم کے کھوکھلے پن کو بے نقاب کر دیا ہے۔

مولانا راشدی کا دورہ پشاور

پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی نے گزشتہ ہفتے پشاور کا مختصر دورہ کیا اور پاکستان

شریعت کونسل صوبہ سرحد کے امیر مولانا میاں عصمت شاہ کا کخیل کو دورہ قندھار کے تاثرات سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ صوبہ سرحد میں کونسل کی رابطہ مہم کے سلسلے میں ان سے تبادلہ خیال کیا۔

مرکزی راہ نمائوں کا دورہ کوئٹہ

پاکستان شریعت کونسل کے امیر مولانا فداء الرحمن درخواستی اور سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی نے قندھار سے واپسی پر کوئٹہ میں ایک روز قیام کیا اور پاکستان شریعت کونسل صوبہ بلوچستان کے کنوینر مولانا محمد حسن کاکڑ اور دیگر راہ نمائوں سے ملاقات کر کے انہیں دورہ قندھار کے تاثرات سے آگاہ کرنے کے علاوہ ان سے مختلف امور پر گفتگو کی۔

صوبہ سندھ کے نئے عہدے دار

پاکستان شریعت کونسل کے امیر حضرت مولانا فداء الرحمن درخواستی نے صوبہ سندھ کے لیے کونسل کے مندرجہ ذیل نئے عہدے داروں کا اعلان کیا ہے اور انہیں اختیار دیا ہے کہ وہ باہمی مشورے سے باقی عہدے داروں کا انتخاب کر لیں

امیر	مولانا عبدالرشید انصاری	کراچی
سیکرٹری جنرل	مولانا سیف الرحمن رائیں	حیدرآباد
رابطہ سیکرٹری	مولانا قطب الدین انصاری	حیدرآباد
سیکرٹری اطلاعات	مولانا رشید احمد درخواستی	کراچی

خدمات دارالعلوم دیوبند کی حمایت

پاکستان شریعت کونسل کے امیر حضرت مولانا فداء الرحمن درخواستی نے جمعیت علماء اسلام پاکستان کے زیر اہتمام ۱۰، ۱۱، ۱۲ اپریل ۲۰۰۱ء کو پشاور میں منعقد ہونے والی ”عالمی خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس“ کی بھرپور حمایت کا اعلان کیا ہے اور اسے وقت کی اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے پاکستان شریعت کونسل کے تمام عہدہ داروں اور ارکان سے کہا ہے کہ وہ کانفرنس میں شریک ہوں اور اسے کامیاب بنانے کے لیے مکمل تعاون کریں۔ دریں اثنا کانفرنس کے دائمی اور جمعیت علماء اسلام پاکستان کے امیر حضرت مولانا فضل الرحمن نے گزشتہ ہفتے گوجرانوالہ میں پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی سے ملاقات کر کے انہیں کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی ہے اور وہ مرکزی سیکرٹری اطلاعات مولانا صلاح الدین فاروقی اور صوبہ سرحد کے امیر مولانا میاں

عصمت شاہ کا کاخیل کے ہمراہ کانفرنس میں شریک ہوں گے۔

علما کی اندھا دھند گرفتاریوں پر احتجاج

پاکستان شریعت کونسل صوبہ پنجاب کے سیکرٹری جنرل مولانا قاری جمیل الرحمن اختر نے محرم الحرام کے موقع پر ملک بھر میں علماء کرام اور دینی کارکنوں کی اندھا دھند گرفتاریوں پر شدید احتجاج کیا ہے اور ایک بیان میں کہا ہے کہ حکومت فرقہ وارانہ بدامنی کے اصل اسباب و عوامل کو دور کرنے کے بجائے ہر سال محرم الحرام کے موقع پر بلا جواز گرفتاریوں اور پابندیوں کے ذریعے سے وقت گزارنے کی کوشش کرتی ہے جس کی وجہ سے صورت حال بہتر ہونے کے بجائے مزید بگڑتی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جن علما کی گرفتاری، ضلع بندی اور زبان بندی کے احکامات جاری کیے گئے ہیں، ان میں سے بہت سے حضرات کئی سال پہلے وفات پا چکے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان گرفتاریوں اور پابندیوں کا مقصد صرف کارروائی ڈالنا اور رسم پوری کرنا ہے۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اس طرز عمل پر نظر ثانی کی جائے اور گرفتاریوں اور پابندیوں کے احکام واپس لے کر فرقہ وارانہ کشیدگی اور بدامنی کے اسباب و عوامل کی نشان دہی کے لیے سپریم کورٹ کے جج کی سربراہی میں عدالتی کمیشن قائم کیا جائے۔

مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس

پاکستان شریعت کونسل کی مرکزی مجلس شوریٰ کا ایک اہم اجلاس ۲۹ اپریل ۲۰۰۱ء بروز اتوار صبح دس بجے الشریعہ اکادمی کنگنی والا گوجرانوالہ میں امیر مرکزیہ حضرت مولانا فداء الرحمن درخواستی کی زیر صدارت منعقد ہوگا جس میں نفاذ شریعت کی جدوجہد کے حوالے سے رابطہ مبہم کو تیز کرنے کے لیے مختلف تجاویز کا جائزہ لیا جائے گا۔ اجلاس کے بعد ۳ بجے دن الشریعہ اکادمی میں پاکستان شریعت کونسل کے زیر اہتمام علماء کرام اور دینی کارکنوں کے لیے ایک خصوصی نشست بھی ہوگی جس سے حضرت مولانا فداء الرحمن درخواستی اور حضرت مولانا زاہد الراشدی موجودہ عالمی اور ملکی صورت حال کے تناظر میں علماء کرام اور دینی جماعتوں کی ذمہ داریوں کے موضوع پر تفصیلی خطاب کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

آداب حاملین قرآن

قرآن کریم کے آداب و فضائل اور حفاظ و قرا کے لیے ضروری ہدایات کے حوالے سے معروف محدث امام شرف الدین نووی شارح مسلم کی کتاب التبیان فی آداب حملۃ القرآن کا اردو ترجمہ حضرت مولانا نجم الدین اصلاحی نے کیا تھا جو بھارت میں شائع ہو چکا ہے اور اب اسے مکہ کتاب گھر، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔ صفحات ۱۲۰، کتابت و طباعت مناسب، مضبوط جلد، قیمت ۶۳ روپے۔

محمد ﷺ اور قرآن

مسلمان رشدی کی رسوائے زمانہ تصنیف ”شیطانی آیات“ میں جناب نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور حضرت صحابہ کرام و ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم کے بارے میں اہانت آمیز اور گستاخانہ طرز بیان اور مواد پر ایک عرصہ سے دنیا بھر میں احتجاج ہو رہا ہے۔ بھارت کے معروف دانش ور ڈاکٹر رفیق زکریا نے مسلمان رشدی کی اس خرافات کا قرآن و حدیث اور تاریخ کی روشنی میں محققانہ جائزہ لیا ہے اور ۳۳۲ صفحات پر مشتمل اس ضخیم تصنیف میں ان تمام واقعات کا احاطہ کیا ہے جن کے بارے میں مسلمان رشدی نے ہرزہ سرائی کی ہے۔ یہ کتاب فلکشن ہاؤس، ۱۸، مزنگ روڈ، لاہور نے شائع کی ہے اور اس کی قیمت ۲۰۰ روپے ہے۔

رد قادیانیت کے زریں اصول

حضرت مولانا منظور احمد چینیوی ایک عرصہ سے علما اور طلبہ کو قادیانیت کے موضوع پر لیکچر دے رہے ہیں اور عقیدہ ختم نبوت، حیات عیسیٰ علیہ السلام، امام مہدی کی علامات، اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی کی حقیقت پر قادیانیوں کے پرفریب دلائل کی اصلیت کو بے نقاب کر رہے ہیں۔ ۱۹۹۰ء میں انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں علما اور طلبہ کو ان موضوعات پر جو لیکچر دیے، انہیں کتابی شکل میں مرتب کیا گیا ہے اور حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود کے وقیع مقدمہ نے اس کی افادیت کو دو چند کر دیا ہے۔ اس موضوع سے دل چسپی رکھنے والے علما، طلبہ اور دینی کارکنوں کے لیے یہ بیش بہا تحفہ ہے۔

۳۳۰ صفحات پر مشتمل اس مجلد کتاب کی قیمت ۱۵۰ روپے ہے اور اسے ادارہ مرکزہ دعوت و ارشاد چھپوت ضلع جھنگ سے طلب کیا جاسکتا ہے۔

قافلہ ادب اسلامی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی علمی آثار اور صدقات جاریہ میں ادب اسلامی کے حوالے سے قائم ہونے والا عالمی فورم "عالمی رابطہ ادب اسلامی" بھی ہے جو ان کی سرپرستی میں وجود میں آیا اور پاکستان سمیت مختلف ملکوں میں اس کی شاخیں کام کر رہی ہیں۔ عالمی رابطہ ادب اسلامی کی پاکستان شاخ نے ادب اسلامی کے فروغ کے لیے "قافلہ ادب اسلامی" کے نام سے ایک سہ ماہی مجلہ کی اشاعت کا آغاز کیا ہے جو عربی، اردو اور انگلش تین زبانوں میں ہے اور معروف دانش ور ڈاکٹر ظہور احمد ظہر اس کے مدیر ہیں۔

زیر نظر شمارہ پہلی جلد کا شمارہ نمبر ۳۳ ہے جو دو سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت ۱۰۰ روپے ہے۔

پتہ: کا پتہ: ملحق بابو باؤ سزا، لالہ زار کالونی، رائے ونڈ، لاہور

برکات وضو

عارف باللہ حضرت مولانا قاضی زابد الحسنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون میں وضو کی برکات و فضائل جناب نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں تحریر فرمائے ہیں۔

۲۸ صفحات پر مشتمل یہ مضمون دارالارشاد، خانقاہ مدنی، انک شہر نے شائع کیا ہے جس کا ہدیہ ۱۰ روپے ہے۔

مدرسہ حسینیہ (رجسٹرڈ) سلانوالی، ضلع سرگودھا

ایک دینی درس گاہ ہے جسے ۱۹۴۷ء میں حکیم شریف الدین کرمانی نے قائم کیا۔ ۵۳ سال کے اس عرصے میں ہزاروں طلبہ و طالبات نے یہاں سے قرآن مجید حفظ و ناظرہ کی تعلیم حاصل کی اور اندرون و بیرون ملک اس کی ترقی و ترویج کے لیے سرگرم عمل ہیں۔

طلبہ و طالبات کی دن بدن بڑھتی ہوئی تعداد اور جگہ کی قلت کے پیش نظر مزید تعمیرات کی اشد ضرورت ہے۔ ۲۵x۵۰ سائز کے بڑے ہال کی تعمیر کے لیے فوری طور پر تعمیری سامان کی ضرورت ہے۔ اصحاب ثروت اور محترم حضرات سے اپیل ہے کہ اس نیک کام میں حصہ لے کر نجات اخروی حاصل کریں۔

قاری محمد اکرم مدنی، ناظم مدرسہ حسینیہ حنفیہ (رجسٹرڈ) سلانوالی، ضلع سرگودھا



الشریعتہ اکیڈمی، ہاشمی کالونی، کٹنی والا گوجرانوالہ

تعلیمی پروگرام

- میٹرک ایف۔ اے اور بی۔ اے کے طلبہ کے لیے ترجمہ قرآن کریم عربی انگلش اور اسلامیات کے مضامین میں تعلیمی راہنمائی اور معاونت کے لیے

مطالعاتی مرکز

نے روزانہ مغرب سے عشا تک کام شروع کر دیا ہے۔

- دینی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے لیے عصر تا مغرب

انگلش لینگویج کورس

۶ اپریل ۲۰۰۱ء سے شروع کیا جا چکا ہے جس کا دورانیہ چھ ماہ ہوگا۔

- مقامی بچوں اور بچیوں کے لیے قرآن کریم ناظرہ اور نماز وغیرہ کی ضروری دینی تعلیم روزانہ صبح نماز فجر کے بعد اور عصر تا مغرب ہوتی ہے۔
- ملازمین، تاجر پیشہ لوگوں اور دیگر حضرات کے لیے روزانہ مغرب تا عشا قرآن کریم اور نماز کے تلفظ کی صحیح اور دیگر ضروری دینی تعلیم کی سہولت موجود ہے۔

ذکورہ بالا تمام پروگراموں میں تعلیم اور راہنمائی باا معاونہ میا کی جاری ہے۔

اس کے علاوہ مقامی آبادی کے لیے روزانہ عصر تا مغرب

فری ڈسپنری

بھی ۶ اپریل ۲۰۰۱ء سے شروع کی جا چکی ہے۔

عورتوں کی تبلیغی جماعت

امام عبدالوہاب شہرانی لکھتے ہیں کہ تمام اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احکام شرع کی تبلیغ کا کام مردوں پر لازمی قرار دیا ہے نہ کہ عورتوں پر۔ عورتوں کو تبلیغ کا کام سونپنا عیسائی مشنریوں کی تقلید ہے۔ اب ان کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی عورتوں کو تبلیغ پر بھیجنا شروع کر دیا ہے مگر یہ غلط ہے۔ عورتیں گھروں اور مدرسوں میں تعلیم و تربیت کا کام تو انجام دے سکتی ہیں مگر مردوں کی طرح جماعت کی شکل میں تبلیغ کے لیے نکلنا غیر فطری امر ہے، اس کے نتائج اچھے نہیں نکل سکتے بلکہ قباحتیں پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ انگریز نے تو اسی آڑ میں بے حیائی کے بڑے بڑے ریکارڈ قائم کیے ہیں۔ آج مسلمانوں میں وہی چیزیں عود کر رہی ہیں جو کہ نہایت ہی شرم کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو ہر معاملہ میں پیچھے رکھا ہے حتیٰ کہ نماز میں بھی عورتوں کی صف مردوں کے پیچھے ہوتی ہے۔ اگر عورتیں اگلی صف میں کھڑی ہو جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ آج دنیا میں ہر جگہ عورتوں کو آگے لایا جا رہا ہے۔ اسلامی ممالک میں بھی انہیں پارلیمنٹ کا ممبر، وزیر اور مشیر بنایا جاتا ہے حتیٰ کہ سربراہ مملکت بنانے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ بخاری شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واضح ارشاد موجود ہے کہ **لن یصلح قوم ولوا امرہم امر**۔ وہ تو کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات عورت کے سپرد کر دیے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو نبی یا رسول بنا کر نہیں بھیجا بلکہ یہ فریضہ ہمیشہ مردوں کو سونپا جاتا رہا ہے۔

اسحاب خیر سے ایک اہم گزارش

☆ ہاشمی کالونی (عقب سرتاج فین جی ٹی روڈ) کنگنی والا گوجرانوالہ میں محترم حاجی یوسف علی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کی وقف کردہ ایک کنال زمین میں 6 اپریل 1999ء کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان مندر وامت برکاتیم نے الشریعہ اکادمی کانسنگ بنیاد رکھا تھا جہاں اب تک پورے کنال کی کھدائی کر کے تہہ خانے کی بڑی چھت ڈالی جا چکی ہے۔ اس کے نیچے ایک طرف 28 x 68 مسجد خدیجہ الکبریٰ کا تہہ خانہ ہے اور اس کے علاوہ اکیڑی کے سات کمرے اور ایک بڑا ہال ہے جن کی تیاری کا کام مسلسل جاری ہے۔

☆ اب تک تقریباً اس لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں جس میں کم و بیش اڑھائی لاکھ روپے قرض حسنیٰ کی رقم شامل ہے اور باقی رقم تخلص دوستوں کے تعاون سے حاصل ہوئی ہے جبکہ قرض حسنیٰ کی ادائیگی سمیت پہلی منزل (تہہ خانہ) کا کام مکمل کرنے کے لیے مزید دس لاکھ روپے کی ضرورت ہے۔

☆ مسجد میں شیخ وقتہ نماز باجماعت اور مقامی بچوں اور بچیوں کے لیے قرآن کریم ناظرہ کی کلاس صبح نماز فجر اور شام نماز عصر کے بعد جاری ہے جبکہ غنقریب دینی مدارس کے طلبہ اساتذہ اور شہر کے خطباء کے لیے شام کے اوقات میں انگلش زبان اور کمپیوٹر ٹریننگ کا کورس شروع کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد درس نظامی کے فضلاء کی خصوصی کلاس اور پرائمری پاس طلبہ اور طالبات کے لیے حفظ قرآن کریم مع نمل کا چار سالہ کورس شروع کرنے کا پروگرام ہے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ

اس پروگرام کو آگے بڑھانے کے لیے فوری ضروریات کی فہرست درج ذیل ہے

قرض حسنیٰ کی ادائیگی۔ تعمیر سامان سینٹ: بجزی اینٹ سریا نائکلیں دروازے کھڑکیاں وغیرہ۔ بجلی کا سامان از قسم تار نیو میں بلب بچھے وغیرہ۔ فرنیچر کے لیے لکڑی چپ بورڈ وغیرہ یا تیار شدہ کرسیاں میز وغیرہ۔ کمپیوٹر سٹ کم از کم پندرہ عدد اور دیگر متعلقہ سامان۔ لائبریری کے لیے ہر قسم کی معلوماتی کتابیں۔ الشریعہ فرنی ڈسپنری کے لیے دو آئین فرنیچر الماریاں اور دیگر ضروری سامان جس کے لیے کمرہ تعمیر ہو چکا ہے اور جلد شروع کرنے کا پروگرام ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس سلسلہ میں مزید معلومات کے لیے: حافظ محمد عمار خان ناصر جامع مسجد شیرانوالہ باغ۔ فون: 219663

سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے اور مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں براہ راست بھی رقم جمع کرائی جاسکتی ہے۔

اکاؤنٹ نمبر 1260 حبیب بینک لمیٹڈ بازار تھانے والا گوجرانوالہ

امید ہے کہ آپ خصوصی اور فوری توجہ فرما کر اس کار خیر میں ہمارا ہاتھ بنا سکیں گے۔

شکریہ والسلام: ابوعمار زاہد الراشدی (ڈائریکٹر) الشریعہ اکادمی ہاشمی کالونی، کنگنی والا گوجرانوالہ